دولتِ آصفیہ اور حکومتِ برطانیہ

سیاسی تعلقات کی تاریخ پر ایک نظر

از
ابوالاعلیٰ مودودی

دولتِ آصفیہ
اور
حکومتِ برطانیہ

سیاسی تعلقات کی تاریخ پر ایک نظر

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

ناشران

سیّد علی شبّر حاتمی بی ایس سی (عثمانیہ)

چودھری محمد اقبال سلیم گاہندری

قیمت عہ/

پہلا ایڈیشن ایک ہزار ۲۷ اکتوبر ۱۹۲۸ء
دوسرا ایڈیشن ایک ہزار جولائی ۱۹۴۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سر جان میلکم کے بقول دولت آصفیہ پوری برٹش انڈین امپائر کا مرکز ثقل ہے سلطنت کے اندر ایک سلطنت جو تقریباً ۱۳ ملین انسانوں پر حکمران ہو جس کے حدود کی وسعت یورپ کی جلیل القدر سلطنتوں کے برابر ہو جس کو اپنی رعایا پر کامل حاکمیت مطلقہ حاصل ہو ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کی اہمیت کو آسانی کے ساتھ نظر انداز کیا جا سکے ایک ایسی طاقتور سلطنت نے کس طرح برطانوی حمایت (Protection) کو قبول کر لیا اور اپنی خارجی آزادی اور فوجی استقلال کو اپنے مساوی الدرجہ بلکہ ابتداءً باجگذار حلیف کے سپرد کر دینے پر راضی ہو گئی ؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں اسی طرح ڈیڑھ صدی سے زیادہ کے حلیفانہ تعلقات میں دونوں سلطنتوں کے درمیان کس قسم کے تعلقات رہے ہیں ؟ اور دونوں نے ایک دوسرے کی دوستی کا حق کیونکر ادا کیا ہے ؟ یہ بھی اہم اور ضروری سوالات ہیں۔ جہاں تک دولت آصفیہ کا تعلق ہے، تاریخ پر اس کی دوستانہ وفاداری کے واقعات نمایاں موجود ہیں۔ میسور کی لڑائیوں سے لیکر آج تک سلطنت انگلیشیہ پر کوئی ایسا نازک موقع نہیں آیا جس میں آصفجاہی تلوار اور روپیہ نے اس کی مدد نہ کی ہو۔ اسکا اعتراف خود برطانی مدبرین نے

بھی ہمیشہ کھلے دل سے کیا ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں سلطنت برطانیہ نے اپنے "یار وفادار" کو دوستی کا کیا بدلہ دیا؟ اس کا جواب اکثر سکوت سے دیا گیا ہے تاریخ اپنے سینہ میں معلومات کا ایک وافر ذخیرہ رکھتی ہے مگر اپنی زبان سے کچھ نہیں کہتی۔

دکن کی سیاسی تاریخ کا یہ پہلو خاص طور پر دلچسپ ہے۔ میں ایک عرصہ سے ارادہ کر رہا تھا کہ اس پر ایک مفصل کتاب لکھوں۔ چنانچہ اس کے لئے کافی مواد فراہم کر لیا تھا۔ لیکن حالات نے اس ارادہ کو پورا کرنے کی مہلت نہ دی اب ایک خاص موقع پر اخبار "الجمعیۃ" کے لئے اس موضوع پر ایک مختصر مضمون لکھنے بیٹھا تو تمام پچھلی معلومات کا ہجوم ہو گیا اور اجمال اور اختصار کی انتہائی کوشش کرنے کے باوجود دامن بحث و بیان کسی طرح سمٹ نہ سکا۔ آخر مجبوراً اس مضمون کو چھوٹے سے رسالہ کی شکل میں مرتب کر دیا ہے۔ اگر حالات نے مساعدت کی تو انشاءاللہ یہی رسالہ ایک کتاب کی صورت اختیار کر لے گا۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی

۲۷ اکتوبر ۱۹۲۸ء

گزارش

۱۹۲۸ء کا زمانہ ہے، لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند اگرچہ اپنا دور فرمان دہی ختم کر کے ہندوستان سے واپس تشریف لے جا چکے ہیں۔ ان کے تیر اقتدار کے زخمی کراچی کے مشہور قیدی قفس کراچی سے باہر قید خانہ ہندوستان میں تشریف رکھتے ہیں۔ دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ کے مابین اقتدار اعلیٰ کا مسئلہ مابہ الاختلاف بنا ہوا ہے اور ہندوستان کے تعلیم یافتہ حضرات اسکی تفصیلات سننے کے مشتاق ہیں۔

یہ تھا وہ وقت جبکہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے یہ کتاب تالیف فرمائی تھی، مولانا نے اسے اس وقت خود چھپوایا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اس کے نسخے ختم ہو گئے اور لوگوں کا اشتیاق بدستور باقی رہا۔ یہاں تک کہ ۱۳ سال کی مدت مدید گزر گئی اور لوگ ایک ایسی کتاب کی تلاش میں رہے جس سے دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ کے دو صد سالہ تعلقات پر روشنی پڑ سکے۔

ہم نے اس قسم کی ایک کتاب کی ضرورت کا اندازہ لگانے کے بعد یہ مناسب نہ سمجھا کہ کوئی دوسری کتاب اس موضوع پر تالیف کرائی جائے کیونکہ

مولانا موصوف کے قلم کی خوبی پیدا کرنا دوسروں کے لئے آسان کام نہ تھا اور دوسری طرف اہل بصیرت حضرات کا اتفاق ہے کہ اس سے بہتر کتاب اس موضوع پر دوسری نہیں ہو سکتی۔

ہم نے اس کی دوبارہ اشاعت کے لئے مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی سے اجازت چاہی۔ ہم اُن کے شکر گزار ہیں کہ مولانا موصوف نے ہمیں اسکی اجازت مرحمت فرما کر ممنون فرمایا۔

سامان طباعت خصوصاً کاغذ اس زمانہ میں جس قدر گراں بلکہ کمیاب ہوگیا ہے، اس سے ہر شخص واقف ہے۔ ہمیں اس گرانی کا قصہ آپ کو سنانا منظور نہیں لیکن بے انتہا افسوس ہے کہ اس کتاب کو جس قدر کم قیمت پر ہم آپ کے ہاتھوں تک پہنچانا چاہتے تھے اتنی قیمت پر پہنچانا ممکن نہیں رہا پھر بھی آپ یقین فرمائیں کہ جس قدر ہمارے امکان میں تھا ہم نے اس میں کسی طرح کوتاہی نہ کی۔

ناشران { سید علی شبّر حاشمی
محمد اقبال سلیم گاہندری

فہرست

انگریزی تعلقات کی ابتداء

سلطنت آصفیہ سے انگریزی تعلقات کی ابتدا حضرت مغفرت مآب آصفجاہ اول ہی کے عہد میں ہوچکی تھی۔ اگرچہ وہ تعلقات دو دوستوں کے سے نہ تھے بلکہ ایک فریادی اور ایک فریادرس کے سے تھے۔ اول اول انگریز اپنی تجارت کی حفاظت اور ترقی کے لئے اس سلطنت کے ماتحت عہدہ داروں سے ملکر کام لے لیا کرتے تھے؛ مگر جب ۱۷۴۶ء میں فرانسیسیوں نے انگریزوں سے مدراس چھین لیا اور کرناٹک کے آصفجاہی گورنر انورالدین خاں نے انگریزوں کی مدد نہ کی تو فورٹ سینٹ ڈیوڈ کے گورنر نے نواب آصفجاہ سے فریاد کی۔ نواب نے اس فریاد کو توجہ کے ساتھ سنا اور انورالدین خاں کو حکم دیا کہ فرانسیسیوں نے انگریزوں سے جو کچھ چھین لیا ہے وہ انگریزوں کو واپس دلوادیں۔

اس واقعہ کے ایک سال بعد نواب آصفجاہ کا انتقال ہوگیا ان کی جگہ ان کے دوسرے لڑکے ناصر جنگ مسند نشین ہوئے۔ مگر مظفر جنگ نے (جو نواب آصفجاہ کے نواسے تھے) ان کے حق کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور ایک دوسرے

مدعی حسین دوست خاں عرف چندا صاحب سے جوار کاٹ کی حکومت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اتحاد کر کے ناصر جنگ کو بیدخل کرنے کی کوشش کی یہ وہ زمانہ تھا جبکہ پانڈیچری میں ڈوپلے جیسا واہیہ سیاست فرانسیسی عملداری کا حاکم اعلیٰ تھا اس نے دکن میں اپنے اثر کو بڑھانے کے لئے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ان دونوں مدعیوں کی حمایت کے لئے مستعد ہو گیا۔ انگریز مورخین کا بیان ہے کہ مظفر جنگ کی مدد پر فرانسیسی قوت کو دیکھکر ناصر جنگ کی مدد کیلئے انگریز کھڑے ہو گئے۔ لیکن اس زمانہ میں انگریزوں کی کوئی ایسی طاقت نہ تھی کہ صوبیدار دکن اور ان کی مدد کا طالب ہوتا یا انکی مدد کو خاطر میں لاتا۔ ممکن ہے کہ ایک آدھ انگریز پلٹن نواب کے ساتھ ہو گئی ہو۔ مگر دکن کے مورخین نے ان کو اتنی بھی اہمیت نہ دی کہ ان کا ذکر بھی کرتے۔

بہر حال ناصر جنگ اور مظفر جنگ کا مقابلہ ہوا مظفر جنگ قید ہو گئے۔ اور ناصر جنگ فرانسیسیوں کی تادیب کیلئے پانڈیچری پر بڑھے راستہ میں فرانسیسیوں نے لشکر دکن پر شب خون مارا۔ ہنگامۂ اضطراب میں کرنول کے نمک حرام افغانوں نے ناصر جنگ کو شہید کر دیا اور اس طرح مظفر جنگ دکن کے فرمانروا ہو گئے۔ مظفر جنگ کی اس کامیابی نے افغانوں اور فرانسیسیوں کا اثر دربار دکن میں بہت بڑھا دیا لیکن ان دونوں قوموں میں خفیہ باہم رقابت پیدا ہو گئی۔ فرانسیسی عنصر کا سردار موسیو بوسی تھا اور افغانوں کا سردار ہمت بہادر خاں۔ دونوں فوجوں میں لڑائی ہو گئی اور اس کشمکش میں مظفر جنگ اور ہمت بہادر خاں دونوں مارے گئے۔

فرانسیسی اثر کا زوال

اس کے بعد نواب آصفجاہ کے تیسرے بیٹے صلابت جنگ مسند آرائے سلطنت

بوسی (Bussy) اور اس کی فرانسیسی فوج کا اثر اسوقت حیدرآباد میں پورے عروج پر تھا۔ بوسی کو سیف الدولہ عمدۃ الملک غضنفر جنگ بہادر کا خطاب ہفت ہزاری منصب معہ علم ونقارہ وماہی مراتب دیا گیا تھا۔ اور صلابت جنگ کی سفارش پر شاہ دہلی کی جانب سے اسکو خلعت وسرپیچ معہ فیل خاصہ مرحمت ہوا تھا۔ اسکی فوج کی معاش کے لئے سرکارات سیکاکول راجبندری مصطفی نگر اور مرتضی نگر گنتور بطور جاگیر دیئے گئے تھے۔ اگر وہ دانائی وفرزانگی سے کام لیتا تو صوبہ دار دکن کی تائید فرانسیسوں کے حق میں حاصل کر لیتا۔ اور شاید ہندوستان کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ لیکن اس نے اپنی کوتاہ فہمی سے یہ سمجھا کہ یہی وقت دکن پر قبضہ جمانے کے لئے موزوں ہے چنانچہ اس نے سلطنت کے معاملات میں مداخلت شروع کی اس کے دیوان رومی خاں نے جسے حیدر جنگ کا خطاب دیا گیا تھا۔ خود مدار المہام سلطنت نواب صمصام الدولہ کے ساتھ مساوات کا دم بھرنا شروع کیا اور ان دونوں نے اتنی سرکشی اختیار کی کہ آخر صلابت جنگ اور صمصام الدولہ ان سے برگشتہ خاطر ہو گئے اور انہیں خدمت سے برطرف کر دیا اس برطرفی سے غضبناک ہو کر انہوں نے حیدرآباد میں فتنہ عظیم برپا کر دیا۔ چار محل۔ چار مینار۔ اور حیدر محل پر توپیں لگا دیں۔ داد محل پر مورچہ بنایا اور شہر کو برباد کرنے کا تہیہ کر لیا۔ صلابت جنگ نے یہ رنگ دیکھکر اسوقت کو نرمی سے ٹال دینا مناسب سمجھا، بوسی کو اس کی جگہ بحال کر دیا اور حیدر جنگ کو نگل، کھمم اور ملنکور کی تعلقہ داری سپرد کی لیکن اس سے ان دونوں کے حوصلے اور بڑھ گئے اور انہوں نے کچھ عرصہ بعد ایک فوجی سازش کر کے صمصام الدولہ اور میر حسین خاں کو گرفتار کر لیا اور نواب میر نظام علیخاں ولیعہد سلطنت کو

کو بھی قلعہ گولکنڈہ میں قید کردینے کی تدبیر شروع کردی۔ یہ حرکت ایسی تھی کہ اس سے سلطنت کا عین وجود خطرہ میں پڑ گیا تھا۔ چنانچہ میر نظام علیخاں نے حیدر جنگ کو پکڑوا کر قتل کرادیا۔ اور بوسی کے دوسرے ساتھی ابراہیم گارڈی کو توڑ لیا۔ اس طرح بوسی کا زور ٹوٹ گیا۔ اور اسکو حیدرآباد سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونا پڑا۔

انگریزی اثر کی ابتداء

یہ حیدرآباد میں پہلی مرتبہ فرانسیسی اثر کے زوال کے اسباب ہیں۔ اسی زمانہ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کی جنگ ہوئی اور کرنل فورڈ (Forde) اس علاقہ میں گھس آیا جو سرکار نظام سے فرانسیسی فوجوں کی معاش کیلئے دیا گیا تھا۔ صلابت جنگ نے اپنے حدود سلطنت میں اس تجاوز بیجا کو دیکھکر انگریزوں کی تادیب کیلئے خود جانے کا قصد کیا لیکن انگریز سمجھتے تھے کہ صوبہ دار دکن سے بگاڑ کر انکی خیر نہیں ہے اس لئے انہوں نے خود آگے بڑھ کے صلح کی درخواست کی۔ اور ۱۷۵۹ء (۱۱۷۲ھ) میں پہلا تہنامہ عمل میں آیا جس کی رو سے نظام دکن نے سرکار مسولی پٹم سرکار نظام پٹم اور اضلاع کونڈاویر دوا کلیتہ انگریزی کمپنی کو انعام میں دیئے اور وعدہ کیا کہ اپنی ریاست سے فرانسیسی فوجوں کو نکالدیں گے۔

اس تہنامہ پر ابھی عملدرآمد نہ ہوا تھا کہ نواب میر نظام علیخاں آصفجاہ ثانی نے نواب صلابت جنگ کو معزول کردیا اور خود عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں لی اس انقلاب کے بعد نواب غفران مآب اپنی ریاست کے معاملات کی درستی میں

مشغول تھے کہ انگریزوں نے ۱۷۶۵ء میں قانون کے بالکل خلاف بالا بالا شاہ دہلی سے شمالی سرکاروں کی سند حاصل کرلی (حالانکہ دو سال پہلے معاہدہ پیرس میں وہ خود تسلیم کرچکے تھے کہ یہ علاقہ نظام کی ملک ہے) اور اسکے بعد جنرل کیلوڈ (Calliaud) کی قیادت میں ایک فوج بھی بھیجدی تاکہ اس علاقہ پر قبضہ کرلے۔ یہ قانون بین الملل کی ایک کھلی ہوئی خلاف ورزی تھی۔ اس سے ناراض ہوکر نواب نے کرناٹک پر دباؤ ڈالا جہاں انگریزوں کے اغوا سے نواب محمد علیخاں (ابن نواب انورالدین خاں) خود مختار ہوگیا تھا۔ انگریزوں نے پہلے تو کرنل کیمبل کے زیر قیادت مزاحمت کی مگر بعد میں نواب کے بگڑے ہوئے تیور دیکھکر خائف ہوگئے اتنے بڑے فرمانروا سے لڑنے کی ان میں جراءت نہ تھی۔ دوسرے حیدر علی کے ساتھ نظام دکن سے بھی بگاڑ لینا ان کے حق میں سخت خطرناک تھا اس لئے فورٹ سینٹ جارج کی پریسیڈنسی سے جنرل کیلوڈ صلح کی استدعا لیکر حیدرآباد بھیجا گیا اور نومبر ۱۷۶۶ء میں اس نے سرکار نظام کے ساتھ ایک جدید عہدنامہ مرتب کیا اس عہدنامہ کی رو سے انگریزوں نے شمالی سرکاروں کی سند ان کے قانونی مالک سے حاصل کی اور راجبندری سیکاکول ایلورا اور مصطفیٰ نگر کی سرکاروں کے عوض ۷ لاکھ روپیہ سالانہ خراج دینا قبول کیا اور مرتضیٰ نگر کے متعلق یہ طے ہوا کہ نواب بسالت جنگ (نواب آصفجاہ ثانی کے چھوٹے بھائی) کی زندگی میں یہ علاقہ ان کے زیر تصرف رہیگا بعد میں وہ بھی انگریزوں کو مل جائے گا۔ اور اس کے عوض انگریزی کمپنی ۲ لاکھ سالانہ خراج سرکار نظام کو دے گی۔ اس کے مقابلہ میں انگریزوں نے عہد کیا کہ وہ ہر ضرورت کے موقع پر سرکار نظام کی مدد کے لئے ایک فوج مستعد رکھیں گے۔

اس فوجی امداد کا خرچ اگر شمالی سرکاروں کے خراج سے کم ہوگا تو اسے رقم خراج میں سے وضع کر کے باقی ماندہ رقم سرکار میں داخل کی جائے گی۔ اور اگر خراج سے زیادہ ہوگا تو زائد رقم کی ذمہ دار خود کمپنی ہوگی۔ یہ فوجی خدمات کا پہلا دام تھا جس میں نظام دکن کو پھانسا گیا۔ بعد میں اس نے جو جو شکلیں اختیار کی ہیں ان کا ذکر آگے آتا ہے۔

حیدر علی کے خلاف اتحاد

مذکورہ عہدنامہ کے مطابق نظام دکن کی خدمت کیلئے ایک مستقل فوج حیدر آباد میں رکھنا انگریزوں کا فرض تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد جب حیدر علی کی قوت سے انگریزی مقبوضات کو خطرہ لاحق ہوا تو یہ فوج اگست ۱۷۶۷ء میں حیدر آباد سے واپس بلائی گئی۔ اور اسے انگریزی مقبوضات کی حفاظت پر لگا دیا۔ نواب آصفجاہ ۱۷۶۶ء کے عہدنامہ کی پابندی کرتے ہوئے حیدعلیخاں کے خلاف انگریزوں کی مدد کرنے پر مستعد ہوچکے تھے مگر ان کی اس بدعہدی کو دیکھکر ناراض ہوگئے اور ان کی مدد سے انکار کر دیا۔ اس موقع پر رکن الدولہ مدارالمہام نے حیدعلی کی سفارش کی۔ خود حیدعلی نواب کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا اور جب نواب بازدید کیلئے اس کے ہاں گئے تو جلوخانے تک آکر آداب مجرا بجالایا ۱۵ ہزار روپئے نقد اور دو ہزار پتلیاں سونے کی نذریں پیش کیں۔ چبوترہ زر پر لیجا کر بٹھایا، جواہر کے خوان، پارچہ و پوشاک، دو عدد قلادۂ فیل اور دو تین توپیں گذرانیں۔ یہ ایسا موقع تھا کہ اگر سلطنت دکن اور ریاست میسور کا دائمی اتحاد ہوجاتا تو کم از کم جنوبی ہند پر اسلامی سلطنت از سر نو مستحکم ہوجاتی مگر مشیت الہی کو کچھ اور منظور تھا۔ نواب

آصفجاہ کی واپسی پر دربار کا رنگ پھر بدلا۔ نواب والاجاہ محمد علیخاں والی کرناٹک نے جو انگریزوں کے ہاتھ اپنے آپ کو بیچ چکا تھا، حاضر ہو کر نہ معلوم کیا پٹی پڑھائی کہ نواب غفراں مآب کا مزاج پھر حیدر علی سے منحرف اور انگریزوں کی جانب منعطف ہو گیا اس کے بعد ہی رکن الدولہ مدراس بھیجے گئے اور وہاں فروری ۱۷۶۸ء میں ایک عہد نامہ مرتب ہوا جسکی رو سے نواب آصفجاہ نے کرناٹک کی دیوانی سات لاکھ روپے سالانہ خراج کے عوض انگریزوں کے سپرد کی۔ نواب کرناٹک کے معاملات میں مداخلت سے دست برداری لکھی۔ اور انگریزوں نے عہد کیا کہ وہ سپاہیوں کی دو پلٹنیں گولندازوں کی کافی تعداد سمیت، نواب کی خدمت میں دیں گے جسکا خرچ نواب کو دینا ہوگا۔ مگر یہ فوج ایسی طاقتوں کے ساتھ استعمال نہ کی جائیگی جن سے انگریزی کمپنی کی دوستی ہو۔

یہ اسی سبسیڈیری الائنس (Subsidiary Alliance) کی بنیاد تھی جس نے بعد میں ترقی کر کے ریاست کی جڑ کو کھوکھلا کر دیا۔ افسوس اسوقت کوئی ایسا صاحب نظر سیاست داں موجود نہ تھا جو اس حقیقت کو سمجھتا کہ سلطنت کا استحکام اسکی اپنی طاقت پر منحصر ہوتا ہے نہ کہ کسی حلیف کی مدد و اعانت پر

سرکار گنتور پر ناجائز تصرف

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ ۱۷۶۶ء میں سرکار گنتور کے متعلق کمپنی سے یہ عہد ہوا تھا کہ بسالت جنگ کی زندگی تک یہ علاقہ انکی جاگیر میں رہے گا۔ اسکے بعد پھر کمپنی کو مل جائے گا۔ لیکن انگریز ملک گیری کی ہوس میں بےچین ہو رہے تھے

بسالت جنگ کے مرنے تک صبر کرنا ان کے لئے مشکل ہو گیا اور انہوں نے شہزادہ کو حیدر علی کے خطرہ سے ڈرا کر ۱۷۷۹ء میں اس سے سرکار گنتور کا قبضہ حاصل کر لیا اور اسے نواب کرناٹک کو دس سال کے پٹہ پر بھی دے دیا۔ یہ نہ صرف ایک صریح بدعہدی تھی بلکہ ایک حلیف کی رعایا سے ناجائز سازباز کرنا اور اس کے ملک پر بیجا تصرف کرنا تھا۔ جس کو نظام ایک معاندانہ فعل قرار دینے میں حق بجانب تھے۔ انہوں نے اس حرکت پر سختی کے ساتھ احتجاج کیا اور احتجاج کو موثر بنانے کے لئے فرانسیسی فوج کو پھر ملازم رکھ لیا۔ اس معاملہ کی خبر کلکتہ پہونچی تو سخت اضطراب پیدا ہو گیا۔ گورنر نے نومبر ۱۷۷۹ء میں نواب کو ایک طویل معذرت نامہ لکھا خود کورٹ آف ڈائرکٹرز نے اس معاملہ کی تحقیقات کی اور آخر نواب کو خوش کرنے کے لئے نہ صرف سرکار گنتور واپس کی گئی بلکہ سرولیم رمبالڈ (Sir W. Rumbald) گورنر مدراس کو اسکی کونسل کے ارکان سمیت برطرف کر دیا گیا۔

شمالی سرکار کی واپسی کا مطالبہ اور اس کا حشر

بسالت جنگ کے انتقال کے بعد ۱۷۸۲ء میں کمپنی کی طرف سے سر جانسن کو وکیل بنا کر حیدرآباد بھیجا گیا تاکہ سرکار گنتور کی حوالگی کا مطالبہ کرے۔ اس زمانہ میں نواب کو اپنی پہلی غلطی کا احساس ہو چکا تھا اور انہوں نے ملک دیگر اجنبی طاقتوں سے فوج رکھوانے کے انجام کو سمجھ لیا تھا۔ اس لئے انگریزی وکیل کے سامنے انہوں نے تجویز پیش کی کہ کمپنی شمالی سرکار ان کو واپس کر دے اور اس کے عوض سرکار نظام نہ صرف پیشکش کا بقایا معاف کر دیگی بلکہ ایک کروڑ روپیہ

نقد بھی کمپنی کو دے گی۔ اس کے ساتھ نواب غفراں مآب نے کرناٹک کی واپسی کے لئے بھی ایسی ہی تجاویز پیش کی تھیں۔ مسٹر جانسن نے ان تجاویز کو پسند کیا اور سپریم گورنمنٹ کو ان کی منظوری کے لئے لکھا۔ لیکن وہاں سے سختی کے ساتھ انہیں رد کر دیا گیا اور اس قصور میں کہ غریب جانسن نے ان تجاویز کو سنا بھی کیوں؟ اسے منصب وکالت سے برطرف کر دیا گیا۔[۱]

سرکار گنتور کی باقاعدہ تفویض

۱۷۷۹ء میں لارڈ کارنوالس نے کیپٹن کنوے (Kenonaway) کو پہلی مرتبہ ریزیڈنٹ بنا کر حیدرآباد بھیجا اور اسے شمشیر جنگ کے باغ میں[۲] ٹھہرایا گیا۔ اس مرتبہ سرکار گنتور کی تفویض کا مطالبہ صرف زبانی ہی نہیں پیش کیا گیا۔ بلکہ سلطنت آصفیہ کی سرحدوں پر فوج کا اجتماع بھی کیا گیا تاکہ اگر نظام کچھ پس و پیش بھی کریں تو انہیں فوجی خدمات کے عوض ملک دینے کی سزا دیجائے[۳]۔ اب نظام کو اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ خود اپنا ملک دیکر فوج رکھوانے کا کیا انجام ہوتا ہے مگر اس کا تدارک اب ان کے بس کا نہ تھا۔ مجبوراً انہیں قدرتی نتائج

---

[۱] Our Faithfull Ally the Nizams p. 36.

[۲] اس مقام پر حکومت نظام نے بعد میں ۲۶ لاکھ کے صرفہ سے ایک عظیم الشان کوٹھی انگریزی کلاہ کے قیام کیلئے بنوادی مگر اس مہمان نوازی کے جرم میں ریاست کو یہ سزا دیگئی کہ نہ صرف اس عمارت پر بلکہ اس کے اردگرد شہر حیدرآباد کے ایک اچھے خاصے حصہ پر بھی قبضہ کر لیا گیا چنانچہ حیدرآباد میں ریذیڈنسی کا ایک پورا محلہ انگریزی تصرف میں ہے (تاریخ رشید الدین خانی صفحہ ۶۹۳)

[۳] Our Faithfull Ally p. 37.

کے آگے سر جھکا دینا پڑا۔ اور شمالی سرکار کی واپسی کے خیال سے ہاتھ دھو کر اپنے ملک کے ایک اور حصہ کی علیحدگی کو گوارا کرنی پڑی۔

اب تک کمپنی نے اس ملک کا پیشکش بھی ادا نہیں کیا تھا جو ۱۷۶۶ء اور ۱۷۶۸ء کے معاہدوں کی رو سے اس کے سپرد کیا گیا تھا یہ رقم ۳۳۳۹۴۷ ۶۷ روپیئے تک پہنچ چکی تھی۔ نظام نے اس کا مطالبہ کیا۔ لیکن کمپنی نے صرف ۹۱۶۶۶۵ روپیئے پیش کئے اور ۵۸۳۲۶۶۷ روپیئے اس بہانہ سے کاٹ لئے کہ یہ بسالت جنگ کے انتقال ستمبر ۱۷۸۲ء سے لیکر سرکار گنتور کی تفویض ستمبر ۱۷۸۸ء تک کا ہرجانہ ہے[1]

میر عالم کی سفارت

۱۷۸۸ء میں بعض معاملات کے تصفیہ کے لئے سرکار نظام کی طرف سے ایک ہیئیت سفرا کلکتہ بھیجی گئی جو عاقل الدولہ نظام یار جنگ میر عبدالعزیز خاں غلام نبی خاں اور میرزا ابو تراب خاں سے مرکب تھی اور میر عالم اس کے صدر تھے۔ اس سفارت کی گفت و شنید سے ایک اور تہہ نامہ عمل میں آیا۔ جو لارڈ کارنوالس کے ایک خط کی صورت میں ہے اسمیں لارڈ کارنوالس نے اس امر کی تصریح کی کہ جو فوج نواب آصفجاہ کے خرچ پر رکھی گئی ہے وہ ہر ایسے موقع پر ان کی خدمت کیلئے حاضر رہے گی جبکہ وہ اسے طلب کریں لیکن اسے پیشوا، گھوجی بھونسلہ، مادھوراؤ سندھیا، نواب ارکاٹ اور راجایان جنجاور، ٹراونکور کے خلاف

---

[1] Our Faithfull Ally p. 37.

استعمال نہیں کیا جائے گا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ یہ فوج صرف ٹیپو سلطان کے مقابلہ کے لئے رکھی گئی تھی۔ کیونکہ نظام کے تمام ہمسایہ رئیسوں اور نوابوں کو مستثنیٰ کرنے کے بعد صرف ایک ٹیپو سلطان ہی باقی رہ گیا تھا۔

اس خط میں یہ بھی تصریح کر دی گئی تھی کہ آئندہ شمالی سرکاروں کے مسئلہ کو چھیڑنے کا کوئی امکان نہیں ہے یعنی یہ علاقہ جو سلطنت دکن سے علیحدہ کیا جا چکا ہے اب کسی حال میں اصل مالک کو نہ ملے گا۔

ٹیپو سلطان کے خلاف اتحاد

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ٹیپو سلطان کی طاقت روز بروز بڑھ رہی تھی اور اور انگریز سمجھتے تھے کہ اگر اس اولوالعزم سپاہی کو دس پانچ برس کی بھی مہلت ملگئی تو پھر کم از کم جنوبی ہند میں ان کا قدم ٹکنا محال ہو جائے گا۔ اس لئے انہوں نے یہ عزم کیا کہ اس سرچشمہ کو طوفان بننے سے پہلے ہی بند کر دینا چاہیئے لیکن ٹیپو سلطان تنہا انگریزوں کے بس کا نہ تھا۔ نظام اور مرہٹوں کی امداد کے بغیر اس کا زور توڑنا ناممکن تھا اور کم از کم نظام کو ان کے ایک ہم مذہب رئیس کے مقابلے میں شرکت جنگ پر آمادہ کرنا مشکل تھا لہٰذا اس کے لئے یہ تدبیر سوچی گئی کہ ایک طرف ٹیپو کی اولوالعزمیوں کو خود نظام کے لئے خطرناک ظاہر کیا گیا اور دوسری طرف ان کے سامنے یہ فائدہ کی صورت پیش کی گئی کہ اگر ٹیپو کو مغلوب کر لیا گیا تو ملک اتحادیوں پر برابر تقسیم ہو جائے گا۔ یہ تدبیر کارگر ہو گئی۔ جولائی ۱۷۹۰ء میں نواب آصفجاہ، پنڈت پردھان پیشواؤ اور کمپنی بہادر کے

درمیان دفاعی و ہجومی اتحاد کا معاہدہ ہوگیا اور اس کے بعد ہی تینوں قوتوں نے میسور پر حملہ کر دیا۔

اس جنگ میں نظام الملک کی اعانت کے لئے کمپنی نے وہ فوج بھیجی جو خود نظام کے خرچ پر رکھی گئی تھی لیکن یہ فوج اس قدر ناقص و ناکارہ تھی کہ اس سے جنگ میں کوئی کام نہ لیا جا سکتا تھا۔ خود رزیڈنٹ (کیپٹن کینوے) نے اعتراف کیا کہ وہ نہایت غیر فوجی اور غیر مکمل حالت میں تھی۔ نظام نے جب اس کی بیخبتی کے ساتھ شکایت کی تو لارڈ کارنوالس نے معذرت نامہ لکھا جس میں اُس نے صاف طور پر تسلیم کیا کہ

"ہز ہائینس کمپنی سے اس امر کی شکایت کرنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ سرکار کمپنی ان کی ایسی اعانت کرنے سے قاصر رہے جس کے وہ معاہدہ اور پیہم مواعید کی رو سے مستحق تھے"[1]

بہرحال نظام نے وفائے عہد کا حق ادا کیا اور جنگ میں انگریزوں کا پورا پورا ساتھ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیپو کو شکست ہوئی اُسے آدھا ملک اتحادیوں کے سپرد کرنا پڑا اور اس مفتوحہ علاقہ میں سے نظام کے حصہ میں ۱۳۱۶۶۶۶ھن کا ملک آیا۔

انگریزوں کی بیوفائی اور فرانسیسی اثر کا دوبارہ عروج

جنگ میسور کے خاتمہ کے بعد ہی دولت آصفیہ کے ایک ماتحت رئیس

---

[1] Memoirs and correspondence of Frazer p. 470.

جاگیردار کرنول کی تابعت کے مسئلہ میں نظام اور ٹیپو سلطان کے درمیان نزاع برپا ہوئی جسے طے کرنے کے لئے نظام نے اس فوج کو طلب کیا جو خود انہیں کے روپے سے رکھی گئی تھی لیکن کمپنی نے اس کے دینے میں انتہا درجہ کی ٹال مٹول کی اور محض فوجی خدمت سے بچنے کے لئے یہاں تک کیا کہ کرنول پر نظام کے قانونی حقوق تک تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔[ا]

اس کے بعد نظام کو ایک ایسے علاقہ پر قبضہ کرنے کے لئے فوج کی ضرورت پیش آئی جو معاہدہ سرنگ پٹن کی رو سے ان کے حصہ میں آیا تھا۔ اس کام کے لئے انہوں نے پھر کمپنی سے اپنی فوج طلب کی مگر پھر اسے بھیجنے سے انکار کر دیا گیا۔

۱۷۹۴ء میں کرنول کے نئے رئیس الف خاں نے کھلم کھلا نظام کی اطاعت سے انحراف کر کے ٹیپو سلطان کی اطاعت اختیار کر لی نظام نے چاہا کہ کمپنی کی فوج بھیجکر اسے راہ راست پر لائیں مگر اس مرتبہ بھی فوج دینے سے صاف انکار کر دیا گیا۔ سرجان شور (گورنر جنرل) نے صاف الفاظ میں لکھدیا کہ:۔

"رزیڈنٹ کو نظام پر یہ امر واضح کر دینے کے ہر مناسب موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے کہ کمپنی کی فوج کے ان کی خدمت میں حاضر رہنے کو ہماری باہمی دوستی کی ایک علامت سمجھنا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ اسے نظام کی سرکش رعایا سے خراج وصول کرنے کا ایک ذریعہ سمجھا جائے"[۲]

[ا] Our Faithfully Ally the Nizam p. 55.

[۲] ایضاً صفحہ ۷۶-۷۷

ان پیہم واقعات سے نظام پر اچھی طرح روشن ہو گیا کہ کمپنی کی فوج انکے کسی کام کی نہیں ہے بلکہ کمپنی نے ان کے خرچ پر اپنی خدمت کے لئے رکھا ہے اسی زمانہ میں مرہٹوں سے نظام کے تعلقات نہایت کشیدہ ہو رہے تھے۔ مرہٹوں کی جانب سے چوتھ کے بقایا کا مطالبہ سخت تھا۔ اور نظام کو ہر وقت مرہٹہ فوج کے حملہ کا اندیشہ لگا ہوا تھا۔ نظام نے کمپنی کے رویہ پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ وہ کسی طرح بھی ان کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہے اور اپنے وفادار حلیف کے لئے حد سے حد یہی کر سکتی ہے کہ مصالحت کی کوشش کرے۔ دوسری طرف جب مرہٹوں کی طاقت کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک فرانسیسی افسر موسیو دبوئینے (M. Debogi Ne.) کی قیادت میں ایک زبردست باضابطہ فوج قائم کر لی ہے اور ان حالات کو دیکھکر نظام نے قطعی فیصلہ کیا کہ کمپنی کی ناکارہ فوج سے اپنا پیچھا چھڑائیں اور اپنی ایک مستقل باضابطہ فوج مرتب کریں چنانچہ اس غرض کے لئے ایک فرنچ آفیسر موسیو ریموں (M. Raymond) کو جو موسی رحمو کے نام سے مشہور ہے ملازم رکھا گیا اور اس کے ماتحت دیسی اور یورپین فوجوں کے دستے مرتب کئے گئے اس کے علاوہ چند اور امریکن فرنچ اور ائرش افسروں کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔

ان افواج کی ترتیب کو ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا کہ ۱۷۹۵ء میں مرہٹوں سے جنگ چھڑ گئی۔ مقام کھڑلہ پر سخت معرکہ ہوا جس میں نظام کو شکست ہوئی اور انہیں اس شرط پر صلح کرنی پڑی کہ ۳۶ لاکھ کا ملک اور ۳ کروڑ روپیہ نقد مرہٹوں کو دینگے اور ارسطو جاہ کو یرغمال کے طور پر انکے سپرد کر دیں گے محض اسکا نتیجہ تھا کہ

نظام نے کمپنی کی دوستی پر بھروسہ کیا اور پہلے ہی خود اپنی فوجی قوت کو مضبوط کرنے کی کوشش نہ کی۔

جنگ کھرلہ سے واپس ہوتے ہی نظام نے انگریزی پلٹنوں کی برطرفی کا حکم دیدیا اور موسی رحمو کی جمعیت کو ترقی دینی شروع کی یہاں تک کہ وہ ۱۵ ہزار کی تعداد تک پہنچ گئی اور اس کیلئے ۱۳۰۰۰۰ روپیہ ماہانہ مقرر کیا گیا۔ اس کیساتھ حیدرآباد میں ایک جنگی کارخانہ بھی قائم کیا گیا جس میں ہر قسم کا بہترین سامان جنگ تیار ہوتا تھا۔ ان واقعات سے بہت ممکن تھا کہ حالات ایک نیا رخ بدل لیتے اور تاریخ کوئی دوسری شکل اختیار کرتی لیکن اس زمانہ میں ایک زبردست سازش کھڑی ہوگئی۔ شاہزادہ عالیجاہ کو باپ کے خلاف بغاوت پر ابھارا گیا۔ بیدر کے زمیندار اس کے ساتھ مل گئے۔ مرہٹوں کی امداد بھی اسکو حاصل ہوگئی۔ اور نظام کا تخت خود ان کے اپنے جگر گوشہ کے ہاتھوں خطرہ میں پڑھ گیا۔ ایسی حالت میں نظام دوبارہ کمپنی سے امداد طلب کرنے پر مجبور ہوگئے اور وہی فوجیں جنکی برطرفی کا حکم دیا جا چکا تھا۔ مجبوراً پھر مانگ لی گئیں۔ تاہم ابھی تک فرانسیسی اثر پورے زور پر تھا۔ ولی عہد سلطنت نواب سکندر جاہ کی موسی رحمو سے بیحد موافقت تھی یہاں تک کہ وہ رحمو کے سر کی قسم کھایا کرتے تھے۔ دربار میں اس کے اثر کا یہ عالم تھا کہ ہر پارٹی اس کی تائید حاصل کرنے کی خواہشمند تھی اور اسکی مخالفت کی کسی کو جرات نہ ہوتی تھی باوجودیکہ دربار کے بڑے بڑے امراء شاہزادہ فریدوں جاہ کو ولی عہد بنانے کی کوشش کررہے تھے۔ مگر چونکہ رحمو شاہزادہ سکندر جاہ کا موید تھا اس لئے سب دم بخود تھے۔ سنہ ۱۷۹۶ء

میں جب نواب غفران مآب سخت بیمار تھے تو ریزیڈنٹ نے گورنر جنرل کو لکھا تھا کہ

بلا شک وشبہ یہ فرانسیسی اس وقت ایسی پوزیشن میں ہے کہ نظام کا انتقال ہو جانے کی صورت میں وہ جس کو چاہے گا مسند نشین کرا دے گا۔[1]

اس زمانہ میں ٹیپو سلطان نے نواب آصف جاہ کو انگریزوں کے خلاف ایک جہاد عام میں شرکت کی دعوت دی اور ایک طویل خط لکھا جس میں قرآن و حدیث کا حوالہ دیکر نواب کو اس فریضۂ دینی کی طرف توجہ دلائی گئی تھی کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ مل کر ان ممالک کو کفار سے واپس لیں جو پہلے دار الاسلام رہ چکے ہیں۔ ایک طرف ان باتوں کا اور دوسری طرف انگریزوں کی سابق بیوفائیوں کا نظام پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے انگریزی رزیڈنٹ کیپٹن کرک پیٹرک کو حکم دیدیا کہ وہ کمپنی کی فوجوں کو واپس بھیجدے قریب تھا کہ انگریزی کمپنی سے نظام کے تعلقات منقطع ہو جاتے۔ مگر عین وقت پر سیاسی فریب کاری نے کمپنی بہادر کی دستگیری کی۔ رزیڈنٹ نے نہایت ہوشیاری کے ساتھ نظام اور ٹیپو سلطان کے مابین کرنول کا جھگڑا اکھڑا کر دیا۔[2] میر عالم نے اس کام میں رزیڈنٹ کی امداد کی اور بڑے وثوق کے ساتھ نظام کو یقین دلایا کہ ٹیپو نے کرنول پر قبضہ

---

[1] Our Faithfull Ally p. 459.

[2] ایضاً صفحہ ۲۱۲—۲۱۳

کر لینے کا پورا سامان کر لیا ہے۔ انگریزوں کی خوش قسمتی سے اسی زمانہ میں ارسطو جاہ بھی پونا سے چھوٹ کر آ گئے اور انہوں نے بھی اپنی قوت اسی جماعت کی تائید میں شامل کر دی جو ٹیپو سلطان کے ساتھ نظام کے اتحاد کی مخالف تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔ ٹیپو کے وکلاء ناکام و نامراد واپس ہو گئے اور انگریزی فوجوں کی واپسی کا حکم واپس لے لیا گیا۔

انگریزوں سے از سرِ نو اتحاد

اس موقع پر قدرت نے بھی انگریزوں کا ساتھ دیا۔ مارچ ۱۷۹۸ء میں موسیٰ رحمو مر گیا اور اس کی جگہ ایم پیروں (Meperran) مقرر ہوا جو اپنے پیشرو کی سی قابلیتیں نہ رکھتا تھا۔ ان واقعات نے دفعتہً حالات کے رُخ کو بدل دیا اور ہمیشہ کے لئے بدل دیا۔ نظام کی مرہٹوں سے پہلے ہی دشمنی تھی اب انگریزوں کی چالاکی سے ٹیپو سلطان کے ساتھ بھی ٹھن گئی۔ اتنے دشمنوں میں تنہا اپنی سلطنت کا وجود قائم رکھنا ان کیلئے مشکل تھا اس لئے انہوں نے دوبارہ انہی بیوفا دوستوں کی طرف رجوع کیا جو محض اپنے فائدہ کے لئے دوستی کرنے کے عادی تھے۔ انگریز ٹیپو کا سر کچلنے اور اس کے بعد مرہٹوں کا استیصال کرنے کے لئے اس کے دل سے آرزومند تھے۔ دکن میں انکی ساری سیاست کا محور یہی ایک نقطہ تھا کہ نظام سب طرف سے کٹ کر صرف ہماری ہی دوستی پر بھروسہ کرنے لگیں جیسا کہ

لارڈ ولزلی نے بورڈ آف کنٹرول کو لکھا تھا کہ اس زمانہ میں انگریزی قوم کیلئے بہترین پالیسی یہی تھی کہ نظام کے وزن کو ہندوستانی طاقتوں کے پلڑے میں شامل ہونے سے روک دیں چنانچہ ٹیپو کی طرف سے نواب کے انحراف طبع کو دیکھتے ہی انگریزوں نے دوستانہ اتحاد کی درخواست پھر پیش کی اور ستمبر ۱۸۰۰ء میں ایک جدید عہد نامہ رقم پذیر ہوا جس کی رو سے انگریزوں کی جمعیت نعلبندی (Subsidiary Force.) کو مستقل کر دیا گیا۔ اسکی تعداد بڑھا کر چھ پلٹنوں تک کر دی گئی۔ اس کے لئے سرکار نظام کے خزانہ پر ۲۴۱۷۱۰۰ روپیہ سالانہ کا بار ڈالا گیا اور اس کے سپرد یہ خدمت کی گئی کہ نظام کی ذات اور انکی سلطنت کی حفاظت کرے اور ریاست کے باغی سرداروں کی سرکوبی کرے۔ مگر یہ شرط لگادی گئی کہ چھوٹے چھوٹے کام اس سے نہ لئے جائیں گے اور نہ مالگذاری وصول کرنے کے لئے سبندی کا کام اس سے لیا جائے گا۔ اور نہ کمپنی کے دوستوں کے خلاف اس کو استعمال کیا جائے گا۔ اس کے عوض حکومت نظام نے وعدہ کیا کہ اس فوج کے پہنچتے ہی فرانسیسی فوجوں کو منتشر کردیگی اور آئندہ کسی فرانسیسی کو اپنے ہاں ملازم نہ رکھے گی۔ اور نہ کسی یوروپین کی خدمات کمپنی کی رضامندی کے بغیر حاصل نہ کرے گی۔

اس عہد نامہ پر دستخط ہونے کے بعد ہی کمپنی کی فوجیں حیدرآباد پہنچ گئیں فرانسیسی افسروں کے ماتحت نظام کی باقاعدہ فوج کو زبردستی منتشر کیا گیا۔ اور جتنے فرانسیسی سرکار نظام کے ملازم تھے ان کو گرفتار کرکے یورپ

بھیجدیا گیا۔[۱]

ٹیپو سلطان کا استیصال

۱۷۹۸ء کا یہ معاہدہ انگریزی ڈپلومیسی کی عظیم الشان فتح تھا۔ ٹیپو سلطان نے انگریزوں سے آخری اور فیصلہ کن مقابلے کے لئے جو زبردست تیاریاں کیں تھیں انہیں اگر نظام الملک کی طاقت اسکے ساتھ شامل ہو جاتی تو ہندوستان کا نقشہ کچھ اور ہوتا لیکن انگریزوں نے ایکطرف ان دونوں اسلامی فرمانرواؤں میں پھوٹ ڈالی دوسری ۱۵ ہزار کی زبردست فوج کو جو سلطنت آصفیہ کی جنگی طاقت کا سب سے بڑا سہارا تھی ایک قطرہ خون بہائے بغیر منتشر کردیا اور تیسری طرف مملکت آصفیہ کے وسیع ذرائع ثروت و قوت کو اپنی تائید میں حاصل کرلیا جن سے جنوبی ہند میں ان کو فیصلہ کن قوت حاصل ہو گئی اور جنگی بدولت وہ مرہٹہ اور میسور کی طاقتوں کو فنا کرکے ماورائے وندھیاچل کے مالک و مختار بن گئے یہ نتائج تنہا انگریزوں کی چالاکی ہی سے حاصل نہیں ہوئے بلکہ ہندوستانیوں کی اپنی کمزوریوں نے بھی انہیں برابر کا حصہ لیا اسوقت دکن میں تین زبردست طاقتیں تھیں ایک مرہٹے اور دوسرے نظام تیسرے میسور اگر ان تینوں طاقتوں میں حسن تفاہم اور اتحاد ہوتا تو انگریزوں کے پاؤں جمنے مشکل تھے لیکن بدقسمتی سے ان تینوں میں باہم سخت رقابت تھی۔ مرہٹے ہندوستان پر غلبہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ ٹیپو سلطان اپنے مجاہدانہ خلوص کے باوجود ملک گیری کی خواہش سے خالی نہ تھا۔ اور نظام الملک اپنے گرد و پیش کے سیاسی حالات کو دیکھتے ہوئے ان دونوں ہمسایوں پر اعتماد نہ کر سکتے تھے اس سوء تفاہم اور بے اعتمادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کو دکن کی بساط پر خود دکن کے

۱۔ Our Faithfull Ally The Nizam p. 219-20.

پھرے لڑائیکا اچھا موقع ہاتھ آگیا۔ پہلے نظام اور مرہٹوں کو ملا کر انہوں نے میسور کا استیصال کیا پھر نظام کی مدد سے مرہٹوں کا زور توڑا اور اس کے بعد ارادہ تھا کہ نظام کی سلطنت کو بھی ہضم کر جائیں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا مگر خدا کو اس دولت اسلامیہ کا بقا مقصود تھا اس لئے ساری بلا صرف برار پر ٹل گئی اور اسلام کی عظمت رفتہ کا یہ نشان اس ملک میں محفوظ رہ گیا۔

واقعات کے سلسلہ کو جوڑتے ہوئے اب ہم اس زمانہ پر پہنچتے ہیں جبکہ انگریزوں نے اپنی تدبیروں کا جال مکمل کرنے کے بعد اطمینان کے ساتھ ٹیپو سلطان کا خاتمہ کر دیا۔ نواب آصفجاہ سے معاہدہ ہونیکے بعد ہی ۱۷۹۹ء میں میسور سے جنگ چھیڑ دیگئی ٹیپو سلطان اپنی تمام تدبیروں میں ناکام ہو چکا تھا تنہا اپنی فوجی قوت سے مقابلہ نہ کرسکا اور آخر اپنے منصوبوں کی تکمیل میں جان لڑاتے ہوئے شہید ہو گیا اس کے بعد از روئے انصاف ملک کو نظام اور کمپنی کے درمیان مساویانہ تقسیم ہونا چاہئے تھا مگر لارڈ ولزلی نے نظام کو صرف ۶۰۷۳۳۲ ہن کا ملک دیا اور میسور کی ریاست راجگان میسور کے قدیم خاندان کے سپرد کردی اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ میسور کو تقسیم کرنے کی صورت میں لارڈ ولزلی کو اندیشہ تھا کہ نظام کے ہاتھ ایسے مضبوط قلعے آجائیں گے جنسے برطانی سرحد ہمیشہ خطرے میں رہیگی

۱۸۰۰ء کا معاہدہ

اس خرخشے سے نجات پانیکے بعد کمپنی کی سیاست کا رخ مرہٹوں کی طرف پھر گیا اور اسے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس طاقت کا بھی خاتمہ کر دیا جائے دوسری طرف نظام کی سلطنت میں میسور کی دو لڑائیوں سے جو افزائش ہوگئی تھی اس کا تدارک بھی ضروری تھا تیسری طرف انگریزی سلطنت کے مزید استحکام کیلئے اس امر کی ضرورت محسوس کیجارہی تھی کہ ہندوستانی ریاستوں میں باہم کسی قسم کے تعلقات باقی نہ رہیں۔ کیونکہ انکے آپس کے تعلقات سے

یہ اندیشہ تھا کہ شاید وہ کبھی باہم متحد ہوکر کمپنی کی توسیع مملکت میں مزاحم ہوں۔ ان اغراض سہ گانہ کو پیش نظر رکھکر لارڈ ولزلی نے نظام سے ایک نئے معاہدہ کیلئے گفت و شنید شروع کی اور آخر ۱۲ اکتوبر ۱۸۰۰ء کو ایک عہدنامہ مرتب ہوا جس نے انگریزی حکومت کے ساتھ نظام کے تعلقات کو ایک نئی بنیاد پر قائم کیا اس عہدنامہ کا خلاصہ یہ ہے :-

(۱) دونوں سلطنتوں نے وعدہ کیا کہ اگر کوئی تیسری طاقت ان میں سے کسی ایک پر حملہ کرے گی تو دونوں ملکر ان کا مقابلہ کرینگی۔ نیز برٹش گورنمنٹ نے عہد کیا کہ وہ کسی طاقت کو نظام کے ممالک محروسہ پر حملہ نہ کرنے دیگی اور خود اپنے مقبوضات کی طرح نظام کے مقبوضات کی بھی حفاظت کریگی (جنگ کھرلہ کے موقع پر نظام اسی قسم کے اتحاد کے خواہشمند تھے مگر چونکہ اس وقت میسور کی مہم پیش نظر تھی اس لئے مرہٹوں کو خوش رکھنے کے لئے ایسا اتحاد کرنے سے انکار کردیا گیا تھا۔

(۲) اس مدافعت کے کام میں کمپنی کی مدد کرنے کیلئے طے ہوا کہ جمعیت نعلبندی (Subsidiary Force) میں مستقل طور پر دو پلٹنوں کا اضافہ کردیا جائے (یعنے کل ۸ ہزار فوج رکھی جائے)

(۳) اس فوج کے مصارف ادا کرنے کیلئے نظام نے وہ تمام ملک کمپنی کے سپرد کیا جو ۱۷۹۲ء اور ۱۷۹۹ء کی جنگہائے میسور میں ان کے ہاتھ آیا تھا اور جسکی سالانہ آمدنی ۶۳ لاکھ روپیہ تھی۔

(۴) کسی تیسری طاقت سے جنگ چھڑنے کی صورت میں نظام نے وعدہ کیا کہ جمعیت نعلبندی کی ۶ پلٹنوں کے علاوہ وہ خود اپنی فوج میں سے ۱۵ ہزار سپاہی معہ ساز و سامان گورنمنٹ کی مدد کے لئے بھیجیں گے۔

(۵) نظام نے عہد کیا کہ وہ کمپنی کی اطلاع کے بغیر کسی دوسری طاقت سے کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں گے۔ اس کے عوض کمپنی نے عہد کیا کہ وہ نظام کی اولاد انکے اعزہ، اور انکی رعایا اور ان کے ملازموں سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے گی جن کے حق میں نظام کے اختیارات مطلق ہوں گے۔

(۶) دوسری طاقتوں سے حکومت نظام کی نزع ہونے کی صورت میں کمپنی کی حکومت کو فیصلہ کرنے کا کامل اختیار ہوگا۔

(۷) کمپنی نے وعدہ کیا کہ اگر شوراپور اور گدوال کے زمیندار یا نظام کے دوسرے ماتحت سرداران کے جائز حقوق ادا کرنے سے احتراز کریں گے یا ان کے ممالک محروسہ عذر و فتنہ برپا کریں گے۔ تو جرم کی حقیقت کو اچھی طرح معلوم کرنے کے بعد جمعیت نعلبندی انکو نگونسار کرنے کیلئے ہزہائینس کی افواج کے ساتھ شرکت عملی کریگی[۱]۔

اس معاہدہ کی اکثر شرائط ایسی تھیں جن کو انگریزی حکومت نظام سے تسلیم کرانے کے لئے عرصہ سے بے چین ہو رہی تھی۔ خصوصاً پانچویں اور چھٹی شرط کی انہیں خاص ضرورت تھی تاکہ نظام برٹش سلطنت کی حمایت (Protection) قبول کرکے اپنی خارجی آزادی سے دست بردار ہو جائیں۔ نومبر ۱۷۹۹ء میں جب نواب غفراں مآب میر نظام علیخاں سخت بیمار تھے اور زندگی کا بھروسہ نہ رہا تھا تو نواب سکندر جاہ کے سامنے بھی شرائط پیش کی گئی تھیں اور ان سے صاف کہدیا گیا تھا کہ برٹش گورنمنٹ انکی مسند نشینی کی تائید صرف اس صورت میں کر سکتی ہے کہ وہ ان شرائط کو قبول کرلیں[۲]۔

---

[۱] Aitchisons Treates and Engagements Vol. IX. p. p. 67-73.

[۲] Wellington's Despatches May, 19-1803.

میر نظام علی خاں کا انتقال اور دورِ مصائب کا آغاز

اگست ۱۸۰۳ء میں نواب میر نظام علیخاں کا انتقال ہوا اور ان کی جگہ نواب سکندر جاہ بہادر مسند نشین ہوئے۔ غفران مآب کی آنکھ بند ہوتے ہی انگریزوں نے مدار المہام سلطنت ارسطو جاہ سے ساز باز کرکے نواب سکندر جاہ کو بے بس کر دیا تھا مگر سال بھر بعد جب ارسطو جاہ مر گئے تو انگریزوں کو قدم جمانے کا پورا موقع مل گیا۔ اور انہوں نے اپنے پرانے دوست میر عالم کو جنہوں نے دکن میں انگریزی اثر کی ترقی کے لئے سب سے زیادہ کوشش کی تھی اور جن کو لارڈ کارنوالس نے نواب غفران مآب کی زندگی میں وزارت امور خارجہ کا عہدہ نسلاً بعد نسل دلوانے کا ارادہ کر لیا تھا[۱]۔ مدار المہامی پر مامور کرا دیا گو انگریزی حکومت کو مدار المہام کے انتخاب اور تقرر کے مسئلہ میں بلکہ سرکار نظام کے کسی داخلی مسئلہ میں بھی مداخلت کا کوئی حق نہ تھا لیکن اگر ناجائز فائدہ اٹھانے کا کوئی موقع ملتا ہو تو اس سے فائدہ نہ اٹھانا انگریزی ڈپلومیسی میں گناہ ہے اس لئے انگریزی سلطنت نے معاہدانہ پابندیوں کو بالائے طاق رکھکر سرکار آصفیہ کے اس خالص اندرونی مسئلہ میں پہلی مرتبہ مداخلت کی ابتدا کی اور میر عالم بہادر کے حق میں اپنا پورا زور صرف کر دیا برٹش رزیڈنٹ مسٹر رسل لکھتا ہے کہ:-

> ۱۸۰۴ء میں اعظم الامراء کے انتقال کے بعد ہم نے نظام پر میر عالم کو مسلط کر دیا۔

۱- تاریخ گلزار آصفیہ صہ ۸۲

لیکن اسی رسل نے اپنے ۲۴ رنومبر ۱۸۱۹ء کے ایک مراسلہ میں میر عالم کے متعلق جو رائے ظاہر کی ہے وہ قابل ملاحظہ ہے۔

"بلاشک وہ پبلک معاملات میں بڑی قابلیتوں کا مالک تھا مگر دل کی ان خوبیوں سے قطعاً عاری تھا جو اعلیٰ دماغی قوتوں کی کمی کو پورا کرتی ہیں وہ حریص بخیل کینہ پرور اور سنگدل تھا اس نے نہ کسی احسان کو یاد رکھا اور نہ کسی قصور کو بھلایا اگرچہ وہ سخاوت کے اظہار کا شوقین اور ہر دلعزیزی کا طلبگار رہتا مگر اس کے دل میں اپنے ابنائے نوع کے لئے نہ منفرداً نہ مجتمعاً کوئی جذبہ ہمدردی تھا۔ اس کے احوال اور اسکی قابلیتوں نے اسکو اپنی حکومت کیلئے عمدہ کام کرنیکی اتنی قدرت بہم پہونچائی تھی جتنی اس حکومت کے کسی ملازم کو کبھی حاصل نہیں ہوئی مگر اس نے بہت سی خرابیوں کو بڑھا دیا اور کسی ایک کو بھی کم نہ کیا، اس کا دور حکومت زیادہ تر نظام سے اقتدار چھیننے میں گذر گیا۔[۱]"

یہ اس دیوان کی خصوصیات تھیں جس کو انگریزی حکومت اپنی اغراض کیلئے حیدرآباد کے منصب وزارت کے لئے سب سے زیادہ موزوں سمجھتی تھی۔ مگر انگریزوں کی خوش قسمتی سے معاملات صرف یہیں تک نہیں ہے بلکہ انہیں اپنا اثر بڑھانے کے لئے اس کے بعد بہم مواقع ملتے چلے گئے۔ ۱۸۰۶ء میں میر عالم نے مہاراجہ چندولال کو اپنا پیش کار بنایا۔ ۱۸۰۸ء میں میر عالم کا بھی انتقال ہو گیا اور منصب وزارت کے لئے دو امیدوار آگے بڑھے۔ ایک شمس الامراء امیر کبیر دوسرے منیر الملک جو میر عالم کے داماد تھے۔ لارڈ منٹو نے شمس الامراء کی

---

[۱] Hyderabad Affairs Vol. 11-p. 84.

سفارش کی[1] مگر منیر الملک نے مہاراجہ چندو لال سے بحلف شرعی عہد کیا کہ اگر انہیں دیوانی بلجائے تو وہ تمام اختیارات مہاراجہ کے سپرد کر دیں گے اور خود کسی معاملہ سے سروکار نہ رکھیں گے[2]۔ خود انگریزی سلطنت نے بھی منیر الملک کے تقرر کو اس شرط کے ساتھ منظور کر لیا کہ وہ تمام اختیارات مہاراجہ چندو لال کو دیدیں۔ چنانچہ اسی کے موافق عمل درآمد ہوا۔ اور مہاراجہ کو سیاہ وسپید کے اختیارات مل گئے جنہیں وہ ۱۸۴۳ء تک پوری مطلق العنانی کے ساتھ استعمال کرتے رہے۔

اس زمانہ سے ریاست کے مصائب کا ایک ایسا المناک اور ماتم انگیز دور شروع ہوا جس سے اس کا زندہ اور سلامت بچکر نکل آنا معجزہ سے کم نہیں ہے۔ یہاں اس دور مصائب کے حالات تفصیل سے بیان کرنے کا موقع نہیں ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس دور کی تین نمایاں خصوصیات تھیں ایک یہ کہ ریاست کی اندرونی معاملات میں انگریزی حکومت کو مداخلت کا پورا موقع دیا گیا اور انگریزی رزیڈنٹ کی خواہشات پر ریاست کے مفاد کو قربان کر دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ ریاست کے انتظام کو نااہل لوگوں پر چھوڑا گیا اور ذمہ دار عہدوں کے لئے اہلیت کا معیار قابلیت کو نہیں بلکہ نذرانوں اور شخصی تعلقات کو قرار دیا گیا۔ تیسرے یہ کہ مداخل ومخارج کا توازن باقی نہ رہا اور قرض لیکر خسارہ کو پورا کرنا ریاست کی مالی پالیسی کا ایک مستقل جزو بن گیا حیدرآباد میں ایک انگریز ولیم پامر نے

---

[1] اس وقت شمس الامراء حیدآباد کے اکابر میں سب سے زیادہ یوروپین تہذیب کی طرف مائل تھے اسی لئے گورنر جنرل کی نظر اُن پر پڑی لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ انگریزی اغراض کے لئے منیر الملک سب سے زیادہ مفید تھے [2] تاریخ رشید الدین خانی ص ۶۹۸

ساہوکارہ کی دوکان کھول رکھی تھی جس سے رزیڈنسی کا گہرا تعلق تھا اس سے ۲۴ فیصدی تک کی بھاری شرح سود پر رقمیں لی جاتیں اور نہیں بڑی دلی کیساتھ خرچ کیا جاتا تھا۔ اسطرح ۱۸۲۳ء تک ریاست ایک کروڑ ۱۶ لاکھ روپئے کی قرضدار ہوگئی جسے بھگتانے کی یہ صورت اختیار کی گئی کہ شمالی سرکار کا پیشکش ۷ لاکھ روپیہ سالانہ انگریزی حکومت کو ہمیشہ کے لئے معاف کیا گیا اور اس کے عوض یہ قرض اس نے اپنے ذمہ لے لیا اس کے بعد دوسرے مہاجنوں سے رقمیں قرض لیجاتی رہیں جنہیں پورا کرنے کے لئے نواب سکندر جاہ نے اپنی زندگی میں ریاست کو ایک کروڑ روپیہ دیا اور ان کے بعد نواب ناصر الدولہ نے ۸۰ لاکھ روپیہ اپنے پاس سے دیا[^1]۔ لیکن اس کے باوجود ریاست کی قرضداری کا یہ حال تھا کہ جب ۱۸۴۳ء میں مہاراجہ چندو لال نے استعفاء دیا تو جنرل فریزر کے بیان کے مطابق تمام قرضوں کو ادا کرنے کے لئے ریاست کو دو کروڑ روپیہ کی ضرورت تھی اس کے علاوہ بہت سے ایسے ناجائز مصارف کا بار ریاست کے خزانہ پر پڑا ہوا تھا۔ جنکی بدولت آخر ملک کا ایک قیمتی حصہ ریاست کو دینا پڑا۔

سیاسی مرتبہ میں کمی

اس بدانتظامی اور کمزوری کا راست نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست کے سیاسی مرتبہ کو سخت نقصان پہنچا۔ انگریزی حکومت کا اصول تو یہ ہے کہ "طاقتور کے سامنے سبک سری اور کمزور کے سامنے سرگرانی" جب تک نواب غفراں مآب

[^1]: رشید الدین خانی صفحہ ۱۵۰ و صفحہ ۳۶۷

میر نظام علیخاں کے عہد میں ریاست کی بنیاد مضبوط تھی، انگریزی حکومت انکی شاہانہ خودمختاری کا پورا احترام ملحوظ رکھتی تھی اور ان کے اندرونی معاملات میں دخل دینے سے کامل اجتناب کرتی تھی۔ سفارتی تعلقات میں دونوں سلطنتوں کے درمیان کامل مساوات تھی بلکہ ایک باجگذار حکومت ہونے کی حیثیت سے انگریزی حکومت کے لئے ایسے آداب مقرر تھے جو کمتر درجہ کے خلیف کے لئے موزوں ہوتے ہیں۔ لیکن نواب غفراں مآب کی آنکھ بند ہوتے ہی جب ریاست کو گھن لگنا شروع ہوا اور اس کی اندرونی طاقت مضمحل ہونے لگی تو انگریزی حکومت کا رویہ بھی بدلنے لگا۔

غفراں مآب کے عہد تک دونوں سلطنتوں میں برابر کے سفارتی تعلقات تھے۔ حیدرآباد میں رزیڈنٹ اور کلکتہ میں ایلچی رہتا تھا۔ ان کے انتقال کے بعد ۱۸۰۵ء میں جب میرزا عبداللطیف کی جگہ یاور الدولہ کو ایلچی بنا کر بھیجا گیا تو گورنر جنرل نے ان کو ناپسند کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں وہ واپس بھیجدیئے گئے۔ ان کے بعد پھر سفارت موقوف ہوئی اور حیدرآباد کے رزیڈنٹ کے اندر دونوں عہدے جمع ہو گئے۔

غفراں مآب کے عہد تک رزیڈنٹ کو ریاست کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کی جراءت نہ ہوتی تھی مگر ان کے بعد نواب سکندر جاہ کے عہد میں پہلے دیوان و پیشکار کے تقرر کے مسئلہ میں رزیڈنٹ نے علانیہ مداخلت کی پھر رفتہ رفتہ ملک کے انتظامی معاملات میں اس کا دخل بڑھتا رہا یہاں تک کہ مالگذاری کے بندوبست اور عہدہ داروں کے تقرر تک رزیڈنٹ کا حکم

بالاتر رہنے لگا اور بادشاہ کے خلاف خود اس کے ملازموں کی پشتیبانی کرنا انگریزی حکومت کی پالیسی کا مستقل جزو بن گیا۔ حد یہ ہے کہ نظام سے یہاں تک کہدیا گیا کہ ؎۔

"مہاراجہ چندولال کی علیحدگی سے دونوں سلطنتوں کے تعلقات میں فرق آجائے گا:..... اگر ہز ہائینس کے معاملات کا انصرام کسی ایسے وزیر کے سپرد کیا گیا جس پر برٹش گورنمنٹ بھروسہ نہ کرسکتی ہو تو ممکن ہے برٹش گورنمنٹ کے لئے یہ ناگزیر ہوجائے کہ وہ اپنے مفاد کی نگہبانی کسی دوسرے ڈھنگ سے کرے۔ بجائے اس طریقہ کے جواب تک کافی پایا گیا ہے" [۱]

اس سے ریاست میں جو ابتری پھیلی اس کا بیان خود انگریزی رزیڈنٹ کرنل اسٹوارٹ (..............) کی زبان سے سننا چاہئے جو اس نے ۱۸۳۴ء میں گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھا تھا۔

"جو لوگ اس دربار میں ۳۰ سال سے ہماری پالیسی کو دیکھ رہے ہیں جنہوں نے دیکھا ہے کہ ہم کس طرح خود اپنے بنائے ہوئے آدمیوں کو وزارت دلواتے ہیں اور خود ان کے بادشاہ کے خلاف انکی حمایت کرتے ہیں، کس طرح ہم نے کار آمد فوج پر قابو حاصل کرلیا ہے اور کس طرح ہم ملک کے دیوانی انتظام پر حاوی ہوگئے ہیں وہ اس حقیقت میں مشکل سے کوئی شک کرسکتے ہیں اور سب سے کم خود نظام کو اسمیں کوئی شک ہوسکتا ہے کہ ہم نے اپنے آپ کو اس ملک کا واقعی حکمراں سمجھ لیا ہے۔ بہت سی خرابیاں جو ریاست میں موجود ہیں

---

[۱] Memoirs of Fraser p 358.

بلاریب ہماری بے ضابطہ مداخلت کے ناگزیر نتائج ہیں اس لئے بات مشکل ہی سے درست ہو سکتی ہے کہ نظام اور ان کے دیوان کو جس حال میں وہ آج کل ہیں ان خرابیوں کا ذمہ دار قرار دیا جائے میں نہیں سمجھتا کہ وہ ان کو درست کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ درحقیقت زیادہ مناسب یہ ہے کہ ہم خود ان خرابیوں کے ذمہ دار قرار دیئے جائیں کیونکہ انہیں دفع کرنے کی قدرت ہم اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔

اس قسم کا اعتراف سر چارلس مٹکاف نے بھی کیا ہے جو برطانیہ کی سرکاری کتاب (بلیو بک) میں شایع ہو چکا ہے[1]

نواب سکندرجاہ کے زمانہ تک ظاہری ادب و آداب بدستور باقی تھے۔ گورنر جنرل اپنے آپ کو سرکاری مراسلات میں "نیازمند" لکھتا تھا اور نظام اپنے لئے "مابدولت" کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ ۱۸۲۹ء میں جب ان کا انتقال ہوا اور نواب ناصرالدولہ انکی جگہ مسند نشین ہوئے تو ان کے ساتھ مساویانہ خط و کتابت شروع ہو گئی۔ میر عالم کے زمانہ میں دیوان ریاست سے گورنر جنرل کی خط و کتابت برابر کے دوستوں کی سی ہوتی تھی مگر ۱۸۴۷ء میں جب سراج الملک نے دیوانی کے عہدہ پر سرفراز ہو کر انہی آداب و القاب کو استعمال کیا تو گورنمنٹ کی طرف سے صاف لکھدیا گیا کہ:۔

ہندوستان کے حالات اب اس وقت بہت بدل چکے ہیں جبکہ ان کے پیش رو میر عالم کو یہ القاب ۰ ۴ برس پیشتر لکھے گئے تھے جنہیں اب مثال کے طور پر پیش کیا

---

[1] Memoirs p. 86.

جاتا ہے۔ ہندوستان کے گورنر جنرل اور حیدرآباد کے دیوان کی اعتباری حیثیت کو دیکھتے ہوئے اب کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ برٹش گورنمنٹ کے نمائندے کو اس طریقہ سے خطاب کیا جائے جو ایک زیر حمایت اور امداد پانے والی ریاست کے وزیر کے ساتھ مساولت کو پہنچتا ہو۔[۱]

اس کے بعد رفتہ رفتہ رزیڈنٹ نے بھی ادب آداب کو رخصت کرنا شروع کیا۔ نواب ناصر الدولہ کے ابتدائی زمانہ میں جنرل فریزر شکایت کرتا ہے کہ یہاں کے آداب بہت تکلیف دہ ہیں۔[۲] مگر انہی کے آخری زمانہ میں جب کرنل لو رزیڈنٹ ہو کر جاتا ہے تو وہ دربار میں نہایت گستاخانہ طرز عمل اختیار کرتا ہے۔ صاحب تاریخ رشید الدین خانی لکھتا ہے کہ:۔

"چونکہ جان لو صاحب نے دربار گذشتہ وحال میں مثل سفیران سابق کے لحاظ اور آداب حضور کا نشست و برخاست اور کلام میں نہ کیا اکثر گستاخانہ اور بیباکانہ کلمات سے پیش آئے اس سے خود بدولت اپنے نزدیک چندے بہت آزردہ خاطر رہے اور خیلے دل پر ملال گذرا (صفحہ ۳۸، ۳۹)

نواب افضل الدولہ بہادر کے زمانہ تک بھی بہت کچھ پرانے نیازمندانہ آداب کی پابندی باقی تھی لیکن نواب میر محبوب علیخاں مرحوم کی کم سنی کے زمانہ سے

---

[۱] Memoirs. p. 217.

[۲] فریزر لکھتا ہے کہ نظام سے ملاقات بہت مراسم اور تکلفات کیساتھ ہوتی ہے اور رزیڈنٹ سے ایسے مواقع پر جن آداب کی پابندی کرائی جاتی ہے وہ اس دربار کیساتھ ہمارے ابتدائی تعلقات کے زمانہ سے رسمًا چلے آرہے ہیں اور کچھ ایسی نوعیت کے ہیں کہ میں انکو حکومت عالیہ اور دیسی پاسیوں کی موجودہ اعتباری حیثیت کو دیکھتے ہوئے رزیڈنٹ کی نمائندہ پوزیشن کے مناسب حال نہیں دیکھتا (میموئرز آف فریزر صفحہ ۱۹۳)

ان میں کمی شروع ہوئی یہاں تک کہ اب رزیڈنٹ ان تمام درباری آداب سے مستثنیٰ ہو چکا ہے جو ریاست میں رائج ہیں۔

لیکن اس دور انحطاط میں سب سے زیادہ ریاست کو جو نقصان پہنچا ہے اس کی اصلی المناک داستان کچھ دوسری ہے جس کو اختصار کے ساتھ آگے بیان کیا جاتا ہے۔

حیدرآباد کنٹنجنٹ کا قیام

۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی دفعہ ۱۷ کے مطابق جمعیت تعلبندی کے فرائض یہ مقرر کئے تھے کہ وہ ان لوگوں کی سرکوبی کرے گی جو سرکار نظام کے جائز مطالبات ادا کرنے سے گریز کریں گے۔ یا سرکار کے ممالک محروسہ میں بدامنی پھیلائیں گے لیکن اس معاہدہ کے گیارہ ہی مہینے بعد جب شوراپور کے زمیندار نے خراج دینے سے انکار کیا تو کمپنی نے فوج بھیجنے میں بہت حیلہ و حجت کی اور ۶ مہینہ بعد اسے بھیجا بھی تو ایسی شرائط پر جو خلاف معاہدہ تھیں اس کے بعد پہلی جنگ مرہٹہ پیش آئی جس میں نظام نے معاہدہ کے مطابق ایک زبردست فوج سے کمپنی کی مدد کی اور اس نے بہت مفید خدمات انجام دیں لیکن اس فوج میں بہت سے عیوب نکالے گئے اور کہا گیا کہ اس نے کچھ کام نہیں کیا۔[1] ان چالوں کا مقصد یہ تھا کہ نظام کو ایک اور فوج خود انہی کے خرچ پر رکھنے کی صلاح دیجائے چنانچہ ۱۸۰۴ء میں گورنر جنرل نے نظام سے اصرار کیا کہ وہ ایک نئی فوج کمپنی کے زیر انتظام قائم کریں جس کا کام سرکش زمینداروں اور باغیوں کی

---

[1] تاریخ رشید الدین خانی ص۷۰۰ و ص۷۰۱

سرکوبی کرنا ہو۔ یہ بالکل وہی خدمت تھی جس کو انجام دینے کے لئے ۶۳ لاکھ کا ملک دیکر نظام نے جمعیت نغلبندی قائم کرائی تھی اس لئے انہوں نے اس مشورہ کو قبول کرنے سے انکار کردیا۔ کمپنی کی حکومت نے اس پر یہاں تک زور دیا کہ اتحاد کو منسوخ کرنے کی دھمکی دیدی اور نظام کو ڈرایا گیا کہ اگر اتحاد منسوخ ہوگیا تو آپکی ریاست کمپنی کے مقبوضات سے ملحق کرلیجائے گی۔[1] مگر جب دھمکیوں سے بھی کام نہ چلا تو ۱۸۱۳ء میں ہنری رسل رزیڈنٹ اور مہاراجہ چندولال پیشکار نے باہمی اتفاق سے دو ہزار سواروں کی ایک فوج قائم کرلی جس کا نام رسل برگیڈ رکھا گیا۔[2] بعد میں بڑھاتے بڑھاتے اسکو چہار چند کردیا گیا اس کے اخراجات کے لئے تقریباً ۴۰ لاکھ روپیہ سالانہ کا بار ریاست کے خزانہ پر ڈالا گیا اور یہی فوج حیدرآباد کنٹنجنٹ بنگئی۔ اس فوج کے قیام کا مقصد یہ بتایا گیا تھا کہ چونکہ جمعیت نغلبندی کمپنی کے زیر اثر ہے اور ضرورت کے وقت اسکی خدمات فوراً حاصل نہیں کیجاسکتیں اسلئے ایک باضابطہ فوج خود ریاست کے زیر حکم رہنی چاہئے تاکہ اس سے فوراً کام لیا جاسکے۔ لیکن یہ محض ایک دھوکہ تھا در اصل یہ فوج بالکل رزیڈنٹ کے ماتحت تھی۔ ریاست کو اس پر مطلق اختیار نہ تھا۔ رزیڈنٹ ہی اس کا افسر اعلیٰ تھا اسی کو عزل و نصب اختیار تھا اسی کی اجازت پر اس کی نقل و حرکت منحصر تھی اور اس کے حکم کے بغیر کنٹنجنٹ کے ایک سپاہی سے بھی ریاست کی کوئی خدمت نہیں لیجاسکتی تھی۔

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ اس کنٹنجنٹ کا قیام نظام کی اجازت کے بغیر عمل میں

---

[1] Wellingtons Despatches Jan. 19-1805.

[2] تاریخ رشید الدین خانی صہ ۱۲

آیا۔ اور نظام کی مرضی کے خلاف اُس کو قائم رکھا گیا ہے ریکارڈ پر کافی ثبوت موجود ہے۔ لارڈ مٹکاف نے اپنی ۱۶ مارچ ۱۸۳۲ء کی یادداشت میں صاف لکھا ہے کہ

"کنٹیجنٹ فورس درحقیقت ہمارے اور راجہ چندو لال کے درمیان ایک مشترکہ کاروبار ہے۔[1]

سر فریڈرک کری جو لارڈ ڈلہوزی کی کونسل کا ایک رکن تھا ۲ اپریل ۱۸۵۳ء کی یادداشت میں لکھتا ہے کہ

"کنٹیجنٹ دراصل مسٹر رسل رزیڈنٹ اور اس زمانہ کے وزیر چندو لال کی باہمی پخت و پز کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے۔ اور جہاں تک میں تحقیق کر سکا ہوں اس انتظام کے لئے نظام اور گورنمنٹ آف انڈیا دونوں کی جانب سے کوئی راست منظوری ریکارڈ پر موجود نہیں ہے۔"[2]

۱۸۲۶ء میں جب کنٹیجنٹ کی تنخواہیں ادا کرنے کے لئے نواب سکندر جاہ کے ذاتی خزانہ سے روپیہ مانگا گیا تو اُنہوں نے اُس کے دینے سے صاف انکار کر دیا۔[3]

۱۸۳۳ء میں نواب ناصر الدولہ نے کنٹیجنٹ کی بقا کی سختی کے ساتھ مخالفت کی۔[4]

۱۸۳۴ء میں اُنہوں نے کرنل اسٹوارٹ رزیڈنٹ سے باصرار کہا کہ جسطرح میرے دیوانی

ل۱ Hyderabad Affairs Vol. 11-p. 247.

ل۲ " " " p. 623.

ل۳ " " " p. 374.

ل۴ - میمو آئینز صفحہ ۱۶۵

اِنتظام سے انگریز افسر ہٹالئے گئے ہیں اسی طرح میری فوج سے بھی ان کو ہٹا لیا جائے۔ میری فوج کو اب کنٹنجنٹ کی حاجت نہیں ہے[۱]۔ جنرل فریزر (رزیڈنٹ اپنے ۲۶ مرجولائی ۱۸۴۲ئہ کے مراسلہ میں حکومتِ ہند کو اِطلاع دیتا ہے کہ۔

اگر نظام کو یہ محسوس کرنے کا موقع دیا گیا کہ وہ فی الواقع خود مختار ہیں تو پہلا کام جو وہ کریں گے وہ یہ ہوگا کہ کنٹنجنٹ کی برطرفی کا مطالبہ کریں گے جس سے انکی ناراضی معلوم ہے اور جس کے قیام اور دوائمی بقا کے لئے کسی موجود الوقت معاہدہ میں کوئی شرط موجود نہیں ہے[۲]

۱۸۵۳ئہ میں جب معاہدہ تفویض برار کے لئے برطانی رزیڈنٹ کرنل لو نواب ناصرالدولہ سے گفت وشنید کررہا تھا تو نواب ناصرالدولہ نے پھر اس امر واقعہ کا اِعادہ کیا کہ کنٹنجنٹ کا قیام نواب سکندر جاہ کی اِجازت کے بغیر عمل میں آیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آخری جنگ مرہٹہ (۱۸۱۷ئہ) کے بعد سے کوئی ایسی جنگ نہیں ہوئی جس میں ہماری مدد کی ضرورت ہوتی۔ کرنل لو نے جواب دیا کہ یہ فوج آپ کے والد صاحب کی اِجازت سے قائم کی گئی ہے۔ نواب نے فرمایا کہ "میرے والد کا نام نہ لو یہ کہو کہ مہاراجہ کی اجازت سے قائم کی گئی ہے[۳]"۔ نواب ناصرالدولہ کے اِس اِستدلال کے جواب میں کرنل لو اور خود لارڈ ڈلہوزی نے اس وقت یہ دلیل پیش کی تھی کہ جب نواب سکندر جاہ نے مہاراجہ چندولال کو مختارکل بنادیا تھا تو مہاراجہ

ے۱ میمو آئیرز صفحہ ۹۰ ۔

ے۲ Hyderabad Affairs Vol. p. 576.

ے۳ Hyderabad Affairs Vol. 11 p. 375.

کی منظوری خود نواب کی منظوری تھی لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ سر چارلس مٹکاف جیسا مستند اور معتبر شخص جو نواب سکندر جاہ کے زمانہ میں پانچ سال تک سلطنتِ برطانیہ کا رزیڈنٹ رہ چکا ہے۔ بالفاظ صریح اس کا اعتراف کرتا ہے کہ انگریزی حکومت نے زبردستی نواب سکندر جاہ کو بے اختیار کیا اور ان کی مرضی کے خلاف ان کے وزراء کو استعمال کرتی رہی۔ ۱۲ اگست ۱۸۲۹ء کی ایک تحریر میں یہ نامور برطانی مدبر لکھتا ہے:-

"۱۸۰۰ء کے عہدنامہ کے بعد ہی سے یہ ضروری سمجھ لیا گیا تھا کہ ریاست کا وزیر ہمارے مفید مطلب ہونا چاہیئے اور ہمیں اپنے اثر سے اس کی تائید کرنی چاہیئے ...... ہمارے رزیڈنٹ نے ہز ہائی نس (نواب سکندر جاہ) کو ان کی تخت نشینی کے وقت اپنا مقصد صاف بتا دیا تھا ...... چنانچہ ارسطو جاہ مرتے دم تک وزیر رہے۔ اور اس تمام مدت میں انہوں نے اپنے آقا یعنے نظام حال کو بے وقعت حلقہ بگوش اور محروم الاقتدار رکھا۔ وزیر کی وفات پر نظام نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ معاملات سلطنت کو خود انجام دینا چاہتے ہیں وہ نہیں چاہتے تھے کہ پھر کوئی مطلق العنان وزیر ان پر مسلط کیا جائے۔ مگر جو انتظام وہ چاہتے تھے اس پر جہازی گورنمنٹ کو اعتراض تھا، ہم نے اصرار کیا کہ ایک وزیر کامل اختیارات کے ساتھ مقرر کیا جائے ہم نے اپنا حق جتایا کہ وزیر ہمارے مفاد سے وابستہ اور ہمارا منتخب کردہ ہونا چاہیئے اور اگر ضرورت ہو تو ہمیں اس کے تقرر پر زور دینا چاہیئے مگر انتہائی کارروائی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

"میر عالم جن کو ہم نے منتخب کیا تھا۔ وزیر مقرر کر دیئے گئے اور مرتے دم تک اپنے آقا کی مملکت کے بلا شرکت اَحدے حکمران رہے۔ نظام نے خود اپنی سلطنت میں اختیارات کا کچھ حصہ حاصل کرنے کی کوشش کی مگر یہ وزیر کو گوارا نہ تھا اور رزیڈینٹ اس کی مدد پر تھا۔ آخر نظام شکستہ خاطر ہو کر دست کش ہو گئے۔ اور اس وقت سے اُنہوں نے سلطنت کے معاملات میں کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ گوشۂ عزلت میں اَفسردہ و غمگین زندگی بسر کرتے رہے اِس طرح ہمارے اَثر نے حیدرآباد کے وزیر کو اس کے اپنے آقا کی مرضی کے خلاف مطلق العنان حکمران بنا دیا برطانی مفاد کی تمام معاملات میں وہ برطانی رزیڈنٹ کا تابع فرمان تھا..... اس کی مخالفت کو ہمارے خلاف دشمنی اور انگریزی سلطنت کے ساتھ بیوفائی سے تعبیر کیا جاتا تھا۔"

"میر عالم کے اِنتقال کے بعد نظام نے دوبارہ اپنے اُمور سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہا مگر بے نتیجہ۔ ان کو ایک وزیر مقرر کرنے پر مجبور کیا گیا اور غیر معمولی اِنتظام عمل میں آیا کہ نظام کے منتخب کردہ شخص منیر الملک کو عہدۂ وزارت دیا گیا۔ مگر یہ شرط کر لیگئی کہ ریاست میں ان کے اختیارات کچھ نہونگے تمام اِختیارات نائب وزیر چندولال کو دیئے گئے جو ہمارے زیر اَثر تھے۔ چنانچہ اس وقت سے ہماری مداخلت کی بدولت رئیس وقت خود اپنی سلطنت کے معاملات سے الگ کر دیا گیا، وزیر اعظم بھی اسی طرح الگ بٹھا دیا گیا اور حقیقی وزیر کامل طور پر ہمارا تابع فرمان ہو گیا۔"

"اپنے اثر اور عمل و دخل کو بڑھانے کے سلسلہ میں ہمارا دوسرا قدم یہ تھا کہ ہم نے نظام کی فوج کو ہٹا کر اس کی جگہ خود اپنی فوج کو رکھنا شروع کر دیا جو برطانی

افسروں کے ماتحت قائم کی گئی تھی ..... ہم نے اسکی عمومی نگرانی اور تنظیم سے ابتدا کی۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ اب نظام کے خزانہ سے ۴۰ لاکھ سے اوپر رقم ایک ایسی فوج پر خرچ ہوتی ہے جو کلیتہً برطانی افسروں کے زیر قیادت ہے اور جس پر برطانی رزیڈنٹ کو بلا شرکت احدے کلی اختیارات حاصل ہیں۔ یہ انتظام صرف اسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ وزیر ہمارا بالکل تابعدار ہے کیونکہ اس کارروائی کو دربار اور قومی فوج کے افسروں کے لئے قدرتی طور پر سخت ناگوار خاطر ہونا چاہیئے۔[1]

۱۴ اگست ۱۸۲۶ء کی ایک اور تحریر میں مٹکاف لکھتا ہے۔

"نظام نے اپنے شاہی حقوق کو برقرار رکھنے کے لئے جو کوشش کی۔ اس کو زبردستی دبا یا گیا۔ رئیس وقت خود اپنی مملکت میں محض ایک سرکاری وظیفہ خوار کی حیثیت رکھتا ہے اس کا دماغ غالباً فطری طور پر اپنے فرائض منصبی انجام دینے کے نا قابل نہیں ہے مگر ممکن ہے کہ طویل عرصہ تک افسردہ اور گوشہ نشین زندگی بسر کرنے کے باعث متاثر ہو گیا ہو ..... میں اُس رئیس کی حالت سے زیادہ قابل رحم اور اس سے زیادہ نا قابل الزام حالت کا تصور نہیں کر سکتا جسے اس طرح خود اپنے ملازم کا ماتحت بنا دیا گیا ہو، اور ایک خارجی طاقت اس ملازم کی حامی بن گئی ہو نظام کے ممالک محروسہ میں اس قسم کی فوج (یعنی کنیٹجنٹ) کا رزیڈنٹ کے ہاتھ میں کھلونا بن جانا اور خود نظام کے خرچ پر نظام کے دبانے کا ذریعہ بنا حیدر آباد کے وزیر کی تابعداری ہی کی بدولت ممکن ہوا ہے۔"[2]

یہ کسی اور کے نہیں خود برطانی حکومت کے ایک سابق رزیڈنٹ کے

---

[1] Hyderabad Affairs Vol. p. 299-300.

[2] ,, ,, ,, p. 375.

اعترافات ہیں جن سے اِس امر کا ناقابل تردید ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ حیدرآباد کنٹنجنٹ نواب مغفرت منزل سکندر جاہ بہادر کی اجازت کے بغیر قائم کی گئی اور معاہدات کے بالکل خلاف ریاست پر یہ بار محض ایک پیشکار کی رضامندی سے ڈالدیا گیا جسے خود انگریزی حکومت نے، نہ کہ ملک کے جائز حکمران نے ریاست کا مختار کل بنادیا تھا۔

کنٹنجنٹ کی اصلیت

اب رہا یہ سوال کہ اِس فوج کے قیام کا اصلی مقصد کیا تھا اور وہ کہاں تک جائز بنیاد پر رکھی گئی تھی سو اُس کے متعلق اپنی طرف سے ایک لفظ کہے بغیر میں خود انگریزی حکومت کے ذمہ دار ارکان کے بیانات یہاں نقل کرتا ہوں۔

۲۴ اپریل ۱۸۴۸ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ڈائرکٹر مسٹر لاؤنگٹن نے حیدرآباد کے منصرم رزیڈنٹ کرنل لو کو ایک طویل خط لکھا تھا جسمیں وہ لکھتا ہے کہ

"میں کچھ عرصہ سے یہ رائے رکھتا ہوں کہ بڑی حد تک ہم خود نظام کی مالی مشکلات کے باعث ہیں ہم نے نظام پر ایسے مطالبات کا بار ڈالدیا ہے جن کے ہم کسی معاہدہ کی رُو سے مستحق نہیں ہیں۔ ۱۲ اکتوبر ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی بارہویں دفعہ کی رو سے نظام نے اپنے اوپر اس بات کا ذمہ لیا تھا کہ جنگ کے موقع پر وہ ۶ ہزار پیدل اور ۹ ہزار سوار دیں گے جس کو کنٹنجنٹ فورس کا نام دیا گیا تھا یہ فوج رزیڈنٹ کی درخواست پر ۱۸۰۳ء میں مہیا کی گئی اور اُس نے مرہٹوں کے خلاف جنگ میں عمدہ خدمات انجام دیں مگر دوسرے سال جو فوج مہیا کی گئی وہ تعداد اور

اہلیت کے لحاظ سے اتنی ادنیٰ تھی کہ رزیڈنٹ کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ نظام کی ملازمت میں برطانی افسروں کے ماتحت ایک باقاعدہ رسالہ قائم کیا جائے ۱۸۰۰ء میں اصلاح کا ایک خاکہ منظور کیا گیا اور اس پر عمل درآمد ہوا۔ پھر ۱۸۱۲ء اور ۱۸۱۶ء میں مزید اصلاحات کی گئیں، یہاں تک کہ ۱۸۴۶ء کی کیفیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کنٹنجنٹ میں ۲۵۹۲ سوار، ۶۸۳۵ پیدل، اور ۹۵ یوروپین افسر ہیں جنکا نظام کی حکومت پر ۴۲ لاکھ روپیہ (حالی) سالانہ خرچ ڈالدیا گیا ہے۔ یہ مطالبہ ریاست کی کل آمدنی کا ۱/۴ حصہ ہضم کرجاتا ہے اور اسی کا نتیجہ ہے کہ نظام اس وقت ان رقوم کے قرضدار ہیں جو برٹش گورنمنٹ نے کنٹنجنٹ کے مصارف کیلئے انکو قرض دی ہیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے میں یقیناً یہ رائے رکھتا ہوں کہ کنٹنجنٹ کی برطرفی پر غور کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ نہ اس کا ابتدائی قیام کسی معاہدہ پر مبنی ہے اور نہ استمراری بقا۔[1]

اِس کے جواب میں کرنل لو[2] نے ۲۴ر جون ۱۸۴۷ء کو ایک خط لکھا جس کے بعض خاص حصے یہ ہیں۔

"میں نے ۱۸۳۶ء میں لارڈ آک لینڈ کے پرائیوٹ سکریٹری مسٹر کالون کو جو نیم سرکاری خط لکھا تھا اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ میں اس جرم بیرحمی کے متعلق آپ کی رائے سے کس قدر متفق ہوں جس کا ارتکاب ہم سالہا سال سے

---

[1] میمو آئیرز صفحہ ۲۴۷

[2] یہ وہی کرنل لو ہے جو ۱۸۵۳ء میں حیدرآباد کا رزیڈنٹ بنایا گیا اور جس نے نظام پر فوجی قوت کا دباؤ ڈالکر تفویض برار کے عہدنامہ پر دستخط حاصل کئے۔

حکومت نظام کے ساتھ انکی آمدنی پر کنٹیجنٹ کی تنخواہ کے لئے ۲۴ لاکھ روپیہ سالانہ کا خرچ عائد کرنے کی صورت میں کر رہے ہیں جو دوسرے الفاظ میں خود ہماری ہی اغراض کے لئے ہے نہ کہ نظام کی اغراض کے لئے ۱۸۱۹ء سے دکن میں کامل امن ہے اور چونکہ ہم صرف حالت جنگ میں نظام کی فوج سے ۶ ہزار پیدل اور ۹ ہزار سوار مانگنے کا حق رکھتے ہیں اس لئے از روئے معاہدہ ہم کو اس پوری مدت یعنی ۲۸ برس سے زیادہ کی مدت میں کنٹیجنٹ کے لئے نظام سے ایک روپیہ بھی مانگنے کا حق نہ تھا مگر اس مدت میں ہم نے نظام کے خزانہ سے (ماسوا اس ۲۴ لاکھ کے جواب کنٹیجنٹ کے سلسلہ میں قرض کے طور پر نظام کے ذمہ واجب الادا ہے ۱۱ کروڑ ۲۰ لاکھ حالی کی رقم خطیر کھینچ لی ہے جس کا ایک بڑا حصہ نظام کے ممالک محروسہ سے ہمیشہ کے لئے سپاہیوں اور افسروں کی ترسیل زر و پس انداز کی صورت میں باہر چلا گیا ہے کیونکہ ان سپاہیوں اور افسروں کا ۴/۳ حصہ اودھ، روہیلکھنڈ اور دوسرے اقطاع ہند سے آیا ہوا ہے جو اپنے بچائے ہوئے روپے کو زر نقد کی صورت میں دور دراز علاقوں کو لیجاتے ہیں اور اس طرح یہ دولت کی نکاسی نہ صرف نظام کے خزانہ کو خالی کئے دیتی ہے بلکہ ان کی رعایا کو بھی روز بروز مفلس بنا رہی ہے ..... مجھے یاد ہے کہ میں نے ۱۸۳۵ء میں مسٹر کالون کو بتایا تھا کہ ۱۸۱۹ء سے ابتک موجودہ فوج کا نصف حصہ ۲۰ لاکھ کے خرچ پر وہی خدمات حکومت نظام کے لئے انجام دے سکتا تھا جو موجودہ فوج ۴۰ لاکھ کے خرچ سے انجام دے رہی ہے۔ برسوں سے کنٹیجنٹ کے ایک بڑے حصہ سے کوئی کام نہیں لیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں معاہدہ کی روسے نظام کو کمپنی کی جمعیت نعلبندی سے ہر وہ خدمت لینے کا حق ہے

جو کنٹنجنٹ سے لی جاتی ہے یا لیجا سکتی ہے۔ اب دیکھئے کہ اگر ۱۸۱۹ء سے صرف ۱۲۰۰ کی فوج رکھی جاتی تو کیا ہوتا۔ بالکل ظاہر ہے کہ ابتک ہم نظام کے خزانے سے اس رقم کی بہ نسبت جو ابتک ہم نے وصول کی ہے ۵ کروڑ کم وصول کرتے یہ فرق تو نظام کے حق میں ہوتا۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے حق میں کیا ہوتا؟ میری رائے یہ ہے کہ کچھ نہ ہوتا۔ کیونکہ ۱۸۱۹ء سے ہم نے ایک مرتبہ بھی کنٹنجنٹ کو نظام کے حدود سے باہر استعمال نہیں کیا ہے ...... اس کے بعد اس بارے میں اور کیا کہنے کی ضرورت ہے کہ یہ دیسی حکومت اپنے بھاری قرضوں اور خالی خزانہ کے باعث کیوں قریب قریب معطل سی ہوگئی ہے[1]

کورٹ آف ڈائرکٹرز کا ایک دوسرا رکن مسٹر ہنری دلاک اپنی ۹ ر نومبر ۱۸۵۱ء کی یادداشت میں لکھتا ہے کہ

"نظام کی بہترین بے قاعدہ فوج کو رفتہ رفتہ ہم نے اپنی نگرانی میں ایک باقاعدہ کنٹنجنٹ کی صورت دیکر نواب کو ان لوگوں کی خدمات سے محروم کر دیا جو ان کے ذاتی محافظ تھے اور جن کی قوت پر تحصیل اور پولیس کے افسر مالگذاری وصول کرنے اور امن قائم کرنے کے کام میں بھروسہ کر سکتے تھے اسطرح ہم نے نظام کو مجبور کر دیا کہ وہ نظم و نسق کو چلانے اور اپنے اقتدار کو بحال رکھنے کے لیئے پٹھانوں، روہیلوں اور عربوں کی ایک نہایت قابل اعتراض فوج بھرتی کریں[2]"

---

[1] میمو آئیرز صفحہ ۲۴۸
[؟] " " ۴۹
[2] " " ۲۶۰

کورٹ کا ایک اور رکن جنرل کالفیلڈ (Caulfield.) لکھتا ہے۔

"ہم نے نظام پر ۲۲ لاکھ روپیہ سالانہ کا ایک غیر ضروری خرچ ایک ایسی کنٹنجنٹ کی پرداخت کے لئے عاید کردیا ہے جسکی تنظیم و ترتیب ہمارے ہاتھ میں ہے اور جس پر ہمارے ہی افسر مقرر ہیں اور جس کا وہی کام ہے جو معاہدہ کی رو سے جمعیتہ تعلبندی کے سپرد کیا گیا تھا۔ ہم نے نظام کو جمعیت تعلبندی کی خدمات سے ایسے وجوہ کی بنا پر محروم کیا ہے جنکی حمایت میں کوئی عذر پیش کیا جا سکتا"[۵۱]

کنٹنجنٹ کا بانی سر ہنری رسل لکھتا ہے کہ:۔

"یہ فوج صرف برائے نام نظام کی ملازم تھی، اس کو ہر مہینہ رزیڈنٹ کے خزانہ سے باقاعدہ تنخواہ دی جاتی تھی اور وہ اپنے آپ کو کمپنی ہی کی فوج سمجھتی تھی عملی اغراض کے لئے یہ فوج بھی ہمارے لئے ایسی ہی تھی جیسی خود ہماری فوج اور اس کو بھی ہم اپنی فوج کی طرح کام میں لا سکتے تھے"[۵۲]

۱۸۱۰ء میں جب رسل نے اس فوج کے قیام کی تجویز پیش کی تھی تو اس وقت بھی اس نے اپنے ۲۲ جون کے مراسلہ میں صاف لکھدیا تھا کہ یہ فوج جمعیتہ تعلبندی (سب سیڈیری فورس) کو اس محنت سے بچانے کے لئے مطلوب ہے جو اسے سرکش رعایا کی سرکوبی میں کرنی پڑتی ہے[۵۳]۔ حالانکہ ۱۸۰۰ء کے معاہدہ میں نظام نے اسی مقصد کے لئے برٹش گورنمنٹ کو ۶۳ لاکھ کا ملک دیکر جمعیت

---

۵۱ میمو آئیرز صفحہ ۲۶۰

۵۲ Hyderabad affairs Vol. 11. P. 322

۵۳ " " P. 372

تعلقبندی قائم کرائی تھی۔

پھر جس وقت کنیجنٹ کو منتقل کیا جا رہا تھا تو خود گورنر جنرل لارڈ ہیسٹنگز نے ۱۰ر نومبر ۱۸۱۹ء کی یادداشت میں یہ الفاظ لکھے تھے۔

"یہ بالکل صحیح ہے کہ یہ فوجیں اس بادشاہ کی نسبت جس کے خرچ پر رکھی جا رہی ہیں، درحقیقت زیادہ تر ہماری فوجیں ہیں اگرچہ ان کا خرچ نظام دیتے ہیں اور برائے نام وہ انکی طرف منسوب ہیں مگر ان کا ہمارے ذریعے تنخواہیں پانا، اور برطانوی افسروں کی قیادت میں رہنا اس بات کی توقع کی گنجائش رکھتا ہے کہ دونوں حکومتوں کے درمیان کسی ناچاقی کی صورت میں وہ اپنے ظاہری آقا کے مقابلے میں ہمارا ساتھ دیں گے۔ اب کیا یہ عقل وخرد کے مطابق ہوگا اور کیا یہ اس اعتماد کے لئے جو آنریبل کمپنی نے ہم پر کیا ہے مناسب ہوگا کہ ہم ایسی ایک ضمانت کو انصاف کے ایک اعتقادی نکتہ پر قربان کردیں ...... یہ بالکل خلاف مقتضائے سیاست ہوگا کہ ہم ضرورت سے زیادہ تہذیب کا خیال کر کے اپنی طاقت میں اس مفت کے اضافہ کو خواہ مخواہ چھوڑ دیں۔"[۵۱]

۱۷ر جنوری ۱۸۴۸ء کو کنیجنٹ کے انگریز افسروں کی تنخواہوں کا مطالبہ کرنے کی قانونی مشکلات بیان کرتے ہوئے انگریزی رزیڈنٹ فریزر لکھتا ہے۔

"یہ فوج خود صبر و تحمل برت رہی ہے اگر اس پر فیصلہ کن اعتراضات کئے گئے تو خواہ ہم اسکو برقرار رکھنے کے لئے اصرار کرنے پر قادر ہوں مگر ہمیں اپنے اس

---

۵۱ میمو آئیرز صفحہ ۳۵۷

اصرار کو موجود الوقت معاہدات کا حوالہ دیکر یا کسی ایسے سمجھوتہ کو پیش کر کے جو اس بارے میں ہمارے اور ہز ہائی نس نظام کے درمیان ہوا ہو حق بجانب ثابت کرنا مشکل ہوگا اسلئے میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ ایسی تجاویز پیش کرنے سے احتراز کیا جائے۔ جنکو یہ دیسی ریاست یقیناً حق بجانب نہیں سمجھتی اور جن سے ایسے مسائل اور مجوزات پیش ہونے کا امکان ہے جو خود اس فوج کے نفسِ وجود کے متعلق ہوں گے۔" (میمو آئرز صفحہ ۹۰)

اس کے بعد فریزر نے ۴ار جولائی ۱۸۴۲ء کو پھر لکھا ہے کہ:۔

"اگر ہم نے نظام پر یہ اثر قائم ہو جانے دیا تو یہ غیر اغلب نہیں ہے کہ علاوہ دوسری خرابیوں کے ہم کو اس بزرگ تر خرابی کا مقابلہ کرنا پڑے گا کہ ہز ہائینس کی جانب سے کنٹیجنٹ کی برطرفی کی تجویز پیش کی جائے گی جس سے انکی ناراضی معلوم ہے اور جس کے نہ ابتدائی قیام کیلئے کسی معاہدہ میں کوئی بنیاد موجود ہے اور نہ مسلسل برقرار رکھنے کیلئے ۱۸۳۳ء میں ہز ہائنس نے اس فوج کے برقرار رہنے پر فعلاً اعتراضات کئے تھے اور اس پر جو مصارف ہو رہے ہیں وہ دیوان کی طرف سے پیہم شکایات کے موجب ہیں۔" (میمو آئرز صفحہ ۱۶۵)

خود لارڈ ڈلہوزی جس نے اسی کنٹیجنٹ کی خاطر نظام سے زبردستی ملک برار حاصل کیا۔ اپنی ۳۰ر مارچ ۱۸۵۳ء کی یادداشت میں لکھتا ہے کہ

اُن وجوہ کی بناء پر میں یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پاتا ہوں کہ حکومت ہند کو نہ تو معاہدہ ۱۸۰۰ء کی اسپرٹ سے اور نہ الفاظ سے اس کا کوئی حق پہنچتا ہے کہ نظام سے کنٹیجنٹ کو اسکی موجودہ شکل میں

قائم رکھنے کا مطالبہ کرے۔

”جہاں تک میرا تعلق ہے میں ایک ایماندار آدمی ہونے کی حیثیت سے رزیڈنٹ کو یہ ہدایت دینے کے لئے ہرگز راضی نہیں ہوں کہ وہ نظام کے جواب میں یہ کہے کہ کنٹیجنٹ ۱۸۱۷ء سے اب تک ان کے خرچ پر اس وجہ سے رکھی گئی ہے کہ ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی بارھویں دفعہ کی رو سے وہ اس کے رکھنے کے پابند ہیں۔“ ؎۱

۱۶ ستمبر ۱۸۵۲ء کو لارڈ ڈلہوزی نے اپنے ایک پرائیوٹ خط میں جنرل فریزر کو لکھا تھا کہ:۔

”گورنمنٹ آف انڈیا بار بار از روئے معاہدہ کنٹیجنٹ رکھنے کی ذمہ داری کا ذکر کرتی ہے۔ کیونکہ چالیس سال سے نظام نے معاہدہ ۱۸۰۰ء کی بارھویں دفعہ کی اس تعبیر کو قبول کر لیا ہے۔ ؎۲ لیکن اگر نظام اس سے مکر جائیں اور از روئے معاہدہ کسی پابندی کے وجود سے انکار کردیں تو میں ایک پبلک مین کی حیثیت سے یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ میں ایمانداری کے ساتھ یہ استدلال نہیں کرسکوں گا کہ کنٹیجنٹ کو برقرار رکھنے کے لئے سابقہ عمل کے سوا کوئی اور بھی حجت موجود ہے میں یہ استدلال کر سکتا ہوں اور یہی میں نے کیا ہے

؎۱ میمو آئرز صفحہ ۳۶۰

؎۲ یہ بھی غلط ہے کہ نظام نے اس تعبیر کو قبول کر لیا۔ خود جنرل فریزر (رزیڈنٹ) نے اس خط میں لکھدیا تھا کہ جہاں تک مجھے یاد ہے اکتوبر ۱۸۵۰ء سے پہلے نظام نے کبھی صریح الفاظ میں اس جواب کو قبول نہیں کیا (دیکھو میمو آئرز صفحہ ۳۸۱)

کہ ہز ہائنس کے طرزِ عمل (یعنی خاموشی) نے معاہدہ کو یہ صورت دیدی ہے اور جب تک اسے نامنظور نہ کر دیا جائے ان پر یہ واجب ہے کہ سیدھی طرح اس فوج کا خرچ برداشت کریں۔ جس کو اسی تعبیر کے مطابق انہوں نے ہمیں مرتب کرنے دیا ہے۔ لیکن اگر وہ نفسِ معاہدہ پر قائم ہوجائیں تو میں یہ استدلال نہیں کر سکتا کہ معاہدہ کی اسپرٹ یا الفاظ کی رو سے وہ اس بنا پر حالتِ امن میں ۹ ہزار کی ایک گراں خرچ فوج رکھنے پر مجبور ہیں کہ حالتِ جنگ میں انہوں نے ۱۵ ہزار فوج دینے کی ذمہ داری لی ہے۔"

اپنی ایک اور خفیہ تحریر میں لارڈ ڈلہوزی لکھتا ہے۔

"عہد نامہ کے تصور میں بھی یہ نہ تھا کہ نظام کو اپنی فوج سے الگ ایک فوج بھرتی کرنے اور اس کا خرچ دینے پر مجبور کیا جائے تا کہ وہ ہر وقت زمانۂ امن اور زمانۂ جنگ میں یکساں۔ گورنمنٹ آف انڈیا کے تنہا تصرف میں دیدی جائے۔ اگر یہ کہا جائے جیسا کہ میں نے کہتے سنا ہے کہ ہز ہائنس کی اپنی فوج محض ایک "انبوہ" ہے[1]۔ اور یہ کہ جنگ ہونے کی صورت میں اچھی

---

[1] عجیب لطف یہ ہے کہ انہی لارڈ ڈلہوزی صاحب نے ۷ اکتوبر ۱۸۴۹ء کو اپنے ایک سرکاری مراسلہ میں لکھا تھا کہ:۔

"۱۸۰۰ء کے عہد نامہ نے ہم کو ہر وقت نظام سے ۱۵ ہزار فوج طلب کرنے کا حق دیا تھا۔ تجربہ نے جلد ہی ثابت کر دیا کہ جب کبھی یہ مطالبہ کیا گیا ہم کو ۱۵ ہزار فوج تو نہ ملی البتہ بہت سا بیکار اور بے ضابطہ "انبوہ" مل گیا۔ پس ہم نے بالکل صحیح اور جائز طور پر عہد نامہ کو یہ معنی پہنائے کہ ہم کو کارآمد سپاہیوں کی مقررہ تعداد مہیا کی جانی چاہیئے اس لئے ہم غیر مشکوک انصاف

فوج ملنے کا اطمینان کرنے کے لئے ہم یہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں کہ ایک کثیر تعداد کی فوج حالت امن میں ہمارے زیر نگرانی و زیر ترتیب ہے تو میں جواب دوں گا کہ معاہدہ کی دفعہ ہم کو یہ معنی پہنانے کا کوئی حق نہیں دیتی (میمو آئرز صفحہ ۴۲۶)

ان سرکاری اور نیم سرکاری تحریروں کے بعد کنٹیجنٹ کی اصلیت کے متعلق ایک حرف بھی زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ خود انگریزی حکومت کے ذمہ دار ارکان تسلیم کرتے ہیں کہ کنٹیجنٹ خلاف معاہدہ قائم کی گئی۔ نظام کی اجازت کے بغیر قائم کی گئی اور انہی اغراض کے لئے قائم کی گئی جن کے لئے اس سے پہلے ۶۳ لاکھ کا ملک نظام سے لیکر سب سیڈیری فورس قائم کی گئی تھی۔

کنٹیجنٹ کے مسرفانہ مصارف

آگے چلکر اس کنٹیجنٹ کے مصارف کی خاطر نظام پر جو مصیبتیں نازل کی گئیں۔ ان کو بیان کرنے سے پہلے یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ انگریزی حکومت ۴۰ سال تک اپنے وفادار دوست کے خزانہ سے روپیہ لیکر اس فوج پر کس بے دردی کے ساتھ خرچ کرتی رہی اس کے لئے بھی ہیں اپنی طرف سے

(بقیہ حاشیہ صہ ۶۲) کے ساتھ ہز ہائی نس سے یہ مطالبہ کر سکتے اور کرتے ہیں کہ وقت ضرورت سے پہلے ہی ایسی تدابیر اختیار کریں کہ ایک باضابطہ فوج فراہم کر رکھیں جس کا خرچ وہ دیں اور افسر ہمارے ہوں اور وہ دکن کے وسطی اضلاع میں قیام امن کا کام دے۔ اس کام کیلئے ہم ۱۵ ہزار کے بجائے صرف ۶ ہزار مانگتے ہیں۔" (میمو آئرز آف فریزر صہ ۳۵۲) اس امر سے معلوم ہو جاتا ہے کہ لارڈ ڈلہوزی کی سیاست کے خفیہ اور علانیہ پہلوؤں میں کس قدر فرق تھا۔

ایک لفظ کہنے کی بجائے خود انگریزی حکومت کے ذمہ دار ارکان کے اعترافات کو نقل کروں گا۔

۲۰ جولائی ۱۸۴۹ء کو کرنل لو (مصرم رزیڈنٹ) نے حکومت نظام کی مالی مشکلات کے متعلق ایک طویل مراسلہ گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھا تھا جس میں اس نے کنٹنجنٹ کے بھاری اخراجات کے متعلق حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا تھا

"یہ خیال کر کے اور بھی زیادہ افسوس ہوتا ہے کہ حکومت نظام کی ان شدید مالی مشکلات کا ایک معتدبہ حصہ بالواسطہ خود ہمارے اس چالیس لاکھ روپیہ سالانہ کے مطالبہ کی بدولت اس پر نازل ہوا ہے جو ہم کنٹنجنٹ فورس کے مصارف کے لئے کرتے ہیں۔"

نظام کی کنٹنجنٹ کے متعلق ان تمام واقعات اور حالات کو بیان کرنا در حقیقت میرے لئے بہت تکلیف دہ ہے۔ مگر میں جب سے یہاں آیا ہوں، میں نے اس حکومت کی مالی پریشانیوں کو اس قدر وسیع اور ہمہ گیر دیکھا ہے کہ میں گورنر جنرل با جلاس کونسل کے سامنے پیش کرنے کے لئے اپنی رائے صاف صاف ظاہر کر دینا ضروری فرض سمجھتا ہوں اور اسی اصول پر میں اس اظہار رائے کے ساتھ اس رپورٹ کو ختم کرتا ہوں کہ کنٹنجنٹ کے اخراجات کو ایسی ایک رقم تک کم دینے کے لئے جو حد سے حد ۲۰ لاکھ روپیہ (حالی) سالانہ سے زیادہ نہ ہو، ضروری کارروائی بعجلت ہونی چاہئے کیونکہ پہلے خواہ کچھ صورت رہی ہو، مگر اب مجھے بالکل ظاہر نظر آ رہا ہے کہ حیدر آباد کی حکومت وہ بھاری رقم نقد روپے کی صورت میں کسی طرح دینے کے قابل نہیں ہے جو اس فوج کو رکھنے

کے لئے مطلوب ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر اس بہیم زرپاشی کا سلسلہ مزید تین سال تک بھی جاری رہا تو وہ اس دار السلطنت کی مصیبت اور انتشار میں بہت شدید اضافہ کا باعث ہوگا اور غالباً تمام نظم و نسق کے کارخانہ کو معطل کردے گا۔"[1]

اس کے جواب میں، ۷ اکتوبر ۱۸۴۳ء کو لارڈ ڈلہوزی کی حکومت نے کرنل لو کو لکھا کہ

"ہز لارڈشپ باجلاس کونسل کرنل لو سے اس بات پر متفق ہیں کہ ہم نے کنٹنجنٹ کو نظام کے مالیات پر اتنا بھاری بوجھ بنا دیا ہے جتنا اسکو نہ ہونا چاہئے گورنر جنرل باجلاس کونسل کی رائے میں اسٹاف بلا فائدہ زائد ہے اور تنخواہیں بھتے اور مختلف قسم کے مصارف اس سے بدرجہا زائد ہیں جتنے ہونے چاہئیں۔"[2]

۳۰ مارچ ۱۸۵۳ء کی یادداشت میں لارڈ ڈلہوزی نے دوبارہ اس فضول خرچی کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

"میں اس اعتراض کے حق بجانب ہونے کو سختی کے ساتھ محسوس کرتا ہوں جو اس فوج کے بھاری خرچ پر کیا جاسکتا ہے۔ ...... یہ فوج کم نہ زیادہ اکٹھے ۵ بریگیڈیر رکھتی ہے جن کے ساتھ اسی نسبت سے بریگیڈیر میجر بھی لاکنہ گوالیار کنٹنجنٹ جو ہز ہائی نس (نظام) سے ایکہزار کم آدمیوں پر مشتمل ہے۔ صرف ایک بریگیڈر رکھتی ہے اور باقی عملہ بھی اسی تناسب سے بہت کم ہے۔"[3]

---

[1] میمو آئرز صفحہ ۲۵۵

[2] " " ۳۵۳

[3] مزے کی بات یہ ہے کہ ۱۱ مارچ ۱۹۲۵ء کو لارڈ ریڈنگ نے اعلحضرت میر عثمان علیخاں بہادر کے

(باقی صفحہ ۵۸)

اکتوبر ۱۸۴۸ء میں کرنل لو کے پیہم اصرار پر لارڈ ڈلہوزی نے اس خرچ میں کمی کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ اس کے اپنے الفاظ یہ تھے۔

"مزید براں گورنر جنرل باجلاس کونسل اس بات کے لئے بالکل تیار ہیں کہ فوج کے اسٹاف میں بہت سی گراں خرچ اسامیوں کو تخفیف کردیں اس طرح کہ جب کوئی جگہ خالی ہو یا موقع پیش آئے تو اسکو موقوف کردیں گورنر جنرل باجلاس کونسل نہیں سمجھتے کہ فی الحال اس سے زیادہ کچھ کیا جا سکتا ہے"

اس کے بعد ۸ ڈسمبر ۱۸۴۹ء کو کورٹ آف ڈائرکٹرز کی طرف سے حکومت ہند کو یہ ہدایت کی گئی کہ۔

"اگر کنٹیجنٹ نظام کے مالیات پر اس سے زیادہ بار ڈالتی ہے جتنا اس کی اہلیت کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے تو نظام کو ایسے غیر ضروری بار سے فوراً نجات دینی چاہیئے۔"

۳ ڈسمبر ۱۸۵۱ء کو کورٹ آف ڈائرکٹرز نے پھر لکھا کہ

"کنٹیجنٹ کی ہیئت ترکیبی اور اس کے مصارف کی عام نظر ثانی کر کے گورنمنٹ آف انڈیا کو نظام کے سامنے تخفیف مصارف کی ایک مثال پیش کرنی چاہیئے جو ان کے مالیات کے لئے اس وقت سخت ضروری ہے۔" [1]

---

[1] میمو آئیرز صفحہ ۳۵۶

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۷) جواب میں جو خط لکھا تھا اسمیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر اس فضول خرچی کو تسلیم کرلیا جائے تو اسکی ذمہ داری تنہا برٹش گورنمنٹ پر نہیں ڈالی جاسکتی جس فوج کا سارا انتظام برٹش گورنمنٹ کے ہاتھ میں تھا اسکی بدانتظامی کی ذمہ داری سے برٹش گورنمنٹ کو سبکدوش قرار دینا صرف سلطنت برطانیہ کے لارڈ چیف جسٹس ہی کا کام ہو سکتا ہے کسی اور کو یہ سعادت حاصل ہونی مشکل ہے۔

لیکن ان پیہم ہدایات اور خود لارڈ ڈلہوزی کے اپنے وعدے کے باوجود ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۳ء تک کنٹنجنٹ کے خرچ میں حسب قدر کمی کی گئی اس کی کیفیت ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوسکتی ہے۔ ۱۸۴۹ء اور ۱۸۵۳ء میں کنٹنجنٹ کی قوت حسب ذیل تھی۔

سال	یورپین افسر	نان کمشنڈ افسر	سوار	پیدل	توپیں	شاگرد پیشہ	[illegible]
۱۸۴۹ء	۷۹	۹۰	۲۹۱۰	۶۷۳۱	۳۷	۸۸۱	۲۸۴۵۰۷۶
۱۸۵۳ء	۷۹	۸۲	۲۹۱۰	۶۷۳۱	۳۷	۸۸۱	۳۸۰۰۰۰

اسی کے متعلق سر ہنری ولاک نے ۱۸۵۹ء میں ایک سخت اختلافی نوٹ لکھتے ہوئے تحریر کیا تھا کہ

"مذکورۂ بالا ہدایات جاری ہونے کے بعد سے نظام کی پریشانیاں بڑھ گئیں اندرونی اضطرابات سے ان کے ملک میں انتشار پھیل گیا۔ کنٹنجنٹ کی خدمات ان کو پیش کرنے سے انکار کیا گیا حالانکہ وہ جائز طور پر انکو دیجا سکتی تھیں۔ آمدنی میں مزید کمی ہوگئی۔ کنٹنجنٹ کا بوجھ زیادہ محسوس ہونے لگا۔ مگر کورٹ کی ہدایات پر عمل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ کنٹنجنٹ کے اسٹاف میں اسامیاں خالی ہوئیں اور گورنر جنرل نے ان کو بھر دیا۔ حیدر آباد کے رزیڈنٹ بڑے بڑے عالی پایہ افسر سر چارلس مٹکاف کرنل اسٹیوارٹ، جنرل فریزر اور کرنل لو یکے بعد دیگرے باوقات مختلف اظہار کرتے رہے کہ ہم از روئے معاہدہ

نظام کے خزانے پر اتنے بڑے بڑے مطالبات کرنے میں حق بجانب نہیں ہیں اور یہ کہ کنٹیجنٹ کے بار نے بڑی حد تک اس مالی پریشانی کو پیدا کیا ہے جو اس وقت ریاست کی طاقت کو خطرہ میں مبتلا کئے ہوئے ہے"[۵۱]

لیکن یہ عجیب لطف ہے کہ جو تخفیف ۱۸۴۸ء سے بلکہ صحیح یوں ہی کہ ۱۸۱۹ء سے ۱۸۵۳ء تک نہ ہو سکتی تھی۔ وہی تخفیف برار لینے کے بعد پہلے ہی سال ممکن ہو گئی اور ممکن بھی اس حد تک کہ جس فوج پر ۴۰ لاکھ روپئے کلدار صرف ہوتے تھے اسی پر ۱۷ لاکھ اور حالی سکہ سے حد ۲۴ لاکھ روپے سالانہ خرچ ہونے لگے۔ یکم جنوری ۱۸۵۴ء کو جب حیدرآباد کنٹیجنٹ کی تنظیم جدید عمل میں آئی تو اس کا خرچ ۱۷ لاکھ رکھا گیا تھا۔ اور اس کے بعد کے اخراجات کا اندازہ ذیل کے نقشہ سے ہو سکتا ہے۔

سال	یورپین افسر	نان کمیشنڈ افسر	سوار	پیادہ	توپیں	شاگرد پیشہ	خرچ سالانہ
۱۸۵۵ء	۵۰	۵۶	۲۳۰۰	۶۲۸۲	۲۴	۶۴۴	۲۴۶۵۴۱۸
۱۸۵۶ء	۴۹	۵۶	۲۳۰۰	۶۲۸۲	۲۴	۶۴۴	۲۲۷۲۰۳۲
۱۸۵۷ء	۵۰	۵۶	۲۳۰۰	۶۲۸۲	۲۴	۶۴۴	۲۳۰۲۲۷۳

اب یہ بالکل ظاہر ہے کہ جتنی تخفیف معاہدہ برار کے بعد چار سال میں کی گئی اگر اتنی ہی تخفیف معاہدہ سے پہلے چار سال میں کیجاتی تو کنٹیجنٹ کے خرچ میں ۶۰ لاکھ کی کمی ہو جاتی اور بجائے اس کے کہ ۱۸۵۳ء میں حضور نظام پر کمپنی کا ۵۰ لاکھ روپیہ قرض ہوتا۔ خود نظام کے خزانہ میں ۱۰ لاکھ روپیہ الٹا بچ رہتا۔

---

۵۱ میمو آئرز صفحہ ۳۵۶

ملک ہضم کرنے کی تدبیریں

اوپر کے بیانات سے یہ معلوم ہو چکا کہ اس کنٹنجنٹ کی ولادت ناجائز طور پر ہوئی تھی۔ اور اسکی پرورش بھی انتہا درجہ کی فضول خرچی کے ساتھ کی جارہی تھی جس کا خود انگریزی حکومت کے ارکان کو اعتراف تھا۔ آئیے اب ہم دیکھیں کہ انگریزی ڈپلومیسی کے اس ناجائز بچہ کو کس طرح "یار وفادار" کا ملک غصب کرنے کا ذریعہ بنایا گیا۔

مسلسل تیس پینتیس سال کی بدنظمی اور روز افزوں انحطاط کو دیکھ کر برطانی مدبرین کا دل اس ریاست کو یا کم از کم اس کے زرخیز حصوں کو ہضم کر لینے کیلئے بے اختیار ہو رہا تھا ۱۸۳۷ء میں لارڈ آکلینڈ نے حیدرآباد کے رزیڈنٹ کرنل اسٹیوارٹ کو جو ہدایات بھیجی تھیں ان میں لکھا تھا کہ کنٹنجنٹ کے قیام و بقا کو سب سے زیادہ اہمیت دو اور ان فوجوں کے مصارف کے لئے چند مخصوص اضلاع کا قبضہ حاصل کرنے کے مناسب مواقع تلاش کرنے میں کوتاہی نہ کرو[۱]

۱۸۳۸ء میں جنرل فریزر کو جو ایک گرگ باراں دیدہ تھا۔ رزیڈنٹ بنا کر حیدرآباد بھیجا گیا اور اس نے یہاں کے حالات کا مطالعہ کر کے یہ رائے قائم کی کہ اب یہ لقمۂ تر اتنا نرم ہو چکا ہے کہ اس کو آسانی کے ساتھ نگلا جا سکتا ہے چنانچہ اس نے ۶ اپریل ۱۸۳۹ء کو لارڈ آکلینڈ کے نام ایک طویل خط لکھا جس کے دوران میں وہ لکھتا ہے کہ

---

۱ میمو آنرز صفحہ ۸۹

"ازالۂ مرض کے لئے جزوی تدبیر کرنا میں لاحاصل سمجھتا ہوں۔ اس ملک کی حکومت کا عملاً اپنے ہاتھ میں لے لینے سے کم کوئی چیز میری رائے میں ان خرابیوں کا کافی علاج نہ ہوگی جو یہاں پھیلی ہوئی ہیں"۔ ؎۱

فریزر کا خیال یہ تھا کہ کمپنی حکومت نظام کو ایک کروڑ روپیہ قرض دے اور اس کے عوض نہ صرف تمام ملک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لے بلکہ عربوں، روہیلوں اور دوسری فوجوں کو بھی منتشر کردے لیکن اس وقت ان خیالات کو عملی جامہ پہنانے کا کوئی موقع نہ تھا۔

اس کے بعد فروری ۱۸۴۳ء میں اسسٹنٹ رزیڈنٹ کپتان میلکم اور مہاراجہ چندولال کے درمیان یہ گفت وشنید ہوئی کہ کمپنی سرکار نظام کو ۷۵ لاکھ روپیہ قرض دے اور رائچور، بیڑ، یا برار کے علاقوں میں سے کوئی حصہ لے لے۔ ؎۲ لیکن رزیڈنٹ اور مہاراجہ میں ناچاقی تھی اس لئے یہ معاملہ طے نہ ہوسکا۔ تاہم کمپنی کے ارباب حل وعقد کو اس تجویز سے حالات کا رخ معلوم ہوچکا تھا اسلئے اسی وقت سے آپس میں کھچڑی پکنی شروع ہوگئی کہ دکن کے زرخیز ملک پر کسطرح تصرف حاصل کیا جائے۔ ۳۰ مئی ۱۸۴۳ء کو کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرز نے گورنر جنرل کے نام ایک مراسلہ بھیجا جس میں لکھا تھا کہ

"اگر اب کوئی مالی مصیبت نظام یا ان کے وزیر کو ہم سے مدد کرنے کی درخواست کرنے پر مجبور کرے تو برٹش گورنمنٹ کی خدمات اس واضح شرط کے ساتھ پیش کردی

؎۱ میمو آئیرز صفحہ ۴۴

؎۲ " " ۱۷۳

جائیں کہ وہ (یعنی برٹش گورنمنٹ) نظام کی جانب سے ان کے فائدے کی خاطر ملک کا نظم ونسق پورا کا پورا اپنے ہاتھ میں لے لیگی اور اگر ایسی صورت میں ہم نے انکی مملکت کا نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لے لیا تو ہز ہائی نس کو صاف طور پر سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اس وقت واپس نہ کیا جائے گا جب تک ہماری حکومت اس امر کا اطمینان نہ کرے گی کہ نظام یا ان کے جانشین ملک کا عمدہ انتظام کرنے کے لئے مناسب بند وبست کرنے کے قابل پائے جائیں گے"[1]

دوسری طرف لارڈ ڈالہوزی کلکتہ میں انہی امور پر غور کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ نواب خود اپنے صرف خاص کے خزانہ سے روپیہ دینے پر راضی نہ ہوں گے۔ اور برٹش گورنمنٹ ہی سے مدد طلب کرنا ضروری سمجھیں گے۔ ایسی صورت میں وہ انکی درخواست کو قبول کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ قرض کی ادائیگی کا پورا اطمینان ہو جائے اور اس اطمینان کی واحد صورت اس کے نزدیک یہ تھی کہ نظام کے تمام ممالک محروسہ کو برطانی انتظام میں لے لیا جائے اس غرض کے لئے کلکتہ میں ایک معاہدہ کا مسودہ بھی تیار کر لیا گیا جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ کمپنی نظام کو ایک ہزار روپیہ قرض دے گی اور اس کے عوض نظام اپنے تمام ممالک محروسہ کا انتظام برٹش رزیڈنٹ یا دوسرے کسی افسر کو جسے برٹش گورنمنٹ منتخب کرے، دیوان کی حیثیت سے سپرد کردیں گے تاآنکہ اصل رقم معہ ۵ فیصدی سود برٹش گورنمنٹ کو واپس نہ مل جائے اور برٹش گورنمنٹ کو اس امر کا اطمینان نہ ہو جائے کہ ہز ہائی نس اور ان کے جانشین ان ممالک

---

[1] میمو آئیرز صفحہ ۱۸۸

کا انتظام ایسے طریقہ سے کر سکیں گے کہ پھر اس قسم کی مالی مشکلات پیش نہ آئیں۔

اس مجوزہ معاہدہ کی سب سے زیادہ عجیب دفعہ یہ تھی کہ برٹش گورنمنٹ کے انتظام سے ریاست کے مالیات میں جو بچت ہوگی اس کو برٹش گورنمنٹ خود اپنے تصرف میں لائے گی[اھ]۔ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ تھا کہ ریاست پر برٹش گورنمنٹ کا دوامی قبضہ رہے گا، کیونکہ جب تمام بچت گورنمنٹ لے لیتی تو ایک کروڑ کا قرض معہ سود ادا ہونے کی کوئی صورت نہ رہتی، اور جب قرض ادا نہ ہوتا تو ریاست کا واگذاشت ہونا معلوم۔

یہ تھا وہ جال جو "یار وفادار" کو پھانسنے کے لئے تیار کیا گیا تھا مگر خوش قسمتی سے جنرل فریزر اور مہاراجہ چندولال کے باہمی اختلافات بڑھ گئے یہاں تک کہ ۶ ستمبر ۱۸۴۳ء کو مہاراجہ اپنی خدمت سے علیحدہ ہو گئے اور کمپنی سے قرضہ مانگنے کی نوبت نہ آئی۔ اگرچہ مہاراجہ نے سرکار نظام پر مختلف قسم کے جو قرضے چھوڑے تھے ان سب کو بھگتانے کے لئے ایک سرسری تخمینہ کے مطابق ۲ کروڑ روپیہ درکار تھا[۵۲]۔ لیکن نواب ناصر الدولہ نے اس حوصلہ شکن صورت حال کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور انگریزوں کی طرف استعانت کا ہاتھ نہ بڑھایا۔ یہی واقعہ ہے جس کے متعلق لارڈ الن برو بڑے افسوس کے لہجے میں جنرل فریزر کو لکھتا ہے کہ

"میں سوائے افسوس کے اور کچھ نہیں کر سکتا کہ چندولال قطعی طور پر عہدہ سے

اھ میمو آئرز صفحہ ۱۸۷

۵۲ " ۱۷۸

الگ ہو گئے قبل اسکے کہ انکی جگہ کسی ایسے آدمی کے تقرر کا انتظام ہو جاتا جسے تم پسند کرتے اور ریاست کے زیادہ بھاری قرضوں کی ادائیگی کا انتظام ہوتا جن میں فوجوں کی تنخواہوں کے بقایا بھی شامل ہیں۔ چندو لال محض تمہاری مرضی سے گئے اور مجھے اندیشہ ہے کہ نظام پر ہماری گرفت کا سب سے بڑا ذریعہ بھی گیا۔ اب اس کابوس سے نجات پاکر نظام ہم کو چٹکیوں میں اڑائیں گے۔ ٹال مٹول کرینگے اور اصلاح کی راہ میں کچھ نہ کریں گے۔"[لہ]

کنٹجنٹ کا قرض

پہلے ہند کی گرفت کھلتے ہی "یار وفادار" کے لئے دوسرا دام چست کرلیا گیا جس میں وہ آخر پھنس کر رہا۔ گو سرکار انگریزی کو اپنے دوست کا پورا ملک تو ہاتھ نہ آسکا تاہم یہی کیا کچھ کم ہے کہ اس کا ایک تہائی حصہ اور سب سے زیادہ زرخیز حصہ اس کی دوستانہ دست برد سے نہ بچ سکا

کنٹجنٹ کے مصارف کا جو حال تھا وہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے ایسے مالی انتشار کے زمانہ میں جبکہ ریاست کے مداخل و مخارج کا توازن ہی درست نہ تھا اس ۴۲ لاکھ سالانہ کے مستقل مطالبہ کو پورا کرتے رہنے پر ریاست کسی طرح قادر نہ تھی۔ مہاراجہ چندو لال پہلے ولیم پامر کی کمپنی سے قرض لیکر اسکو پورا کرتے رہے۔ پھر جب پامر کمپنی ٹوٹ گئی تو ملکی ساہوکاروں کا سہارا ڈھونڈا گیا آخر جب ریاست کی ساکھ بالکل ہی بگڑ گئی تو اس رقم کا ادا کرنا مشکل ہو گیا اور

لہ میمو آئرز صفحہ ۱۹۴

تنخواہیں بقایا میں رہنے لگیں۔ جولائی ۱۸۴۳ء میں جب مہاراجہ نے استعفےٰ دیدیا تو کنٹیجنٹ کی ۶ مہینے کی تنخواہ بقایا میں تھی۔ جنرل فریزر نے رزیڈنسی کے خزانہ سے یہ روپیہ ادا کیا اور مرکزی حکومت کو اس کے متعلق لکھا وہاں سے جواب آیا کہ جتنے روپیہ کی ضرورت ہو اپنے خزانہ سے دیئے جاؤ اور نظام کو مہلت دیتے رہو۔[1] اس طرح کنٹیجنٹ کے حساب میں نظام کے ذمہ جتنی بقایا نکلتی رہی اسے رزیڈنٹ چپکے چپکے اپنے خزانہ سے ادا کرتا رہا یہاں تک ستمبر ۱۸۴۶ء میں یہ نام نہاد قرض ۳۸ لاکھ کی رقم خطیر تک پہونچ گیا۔

مہاراجہ چندولال کی علیحدگی کے بعد نواب ناصر الدولہ بہادر نے دیوانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے تھے۔ شعبہ سیاسیات کی نگرانی (جسکا اصلاحی نام اس وقت وکالت تھا) سراج الملک (ابن منیر الملک) کے سپرد کردی تھی اور مہاراجہ چندولال کے بھتیجے راجہ رام بخش کو پیشکار مقرر کردیا تھا۔ اسی انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ ان بھاری قرضوں میں سے جو مہاراجہ چندولال چھوڑ گئے تھے، جون ۱۸۴۵ء تک ایک کروڑ ۲۰ لاکھ روپیہ ادا ہو چکا تھا۔[2] نواب کی خواہش تھی کہ بذات خود امور ریاست کی نگرانی کریں۔ مگر یہی وہ چیز تھی جسکو انگریزی حکومت نہیں چاہتی تھی۔ انگریزوں کی خواہش یہ تھی کہ نواب محل سرا میں مشغول عیش و نشاط رہیں اور حکومت کا سارا کام ایک ایسے دیوان کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے جو رزیڈنٹ کے زیر اثر ہو۔ انگریزی رزیڈنٹ جنرل فریزر نے اپنی تحریروں میں

---

[1] Our Faithful Ally P. 264

[2] میمو آئیرز صفحہ ۲۰۵

اس خواہش کا صاف صاف اظہار بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے ۷ مئی ۱۸۴۴ء کے خط میں لارڈ الن برو کو لکھتا ہے کہ

"اس ملک کے اختیارات خود ہمارے ہاتھ میں آتے اور اس کا انتظام برطانی افسروں کے سپرد کئے جانے سے کم اگر کوئی تدبیر اصلاح میرے خیال میں آتی ہے تو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک ایسا وزیر مقرر کیا جائے جو برٹش گورنمنٹ کی رائے کے ساتھ (جس کا اظہار یہاں کے رزیڈنٹ کے ذریعہ ہو) حقیقی نہ کہ بناوٹی اشتراک عمل کرے۔" [۱]

ان ہی خیالات کی بناء پر برٹش گورنمنٹ کی طرف سے بار بار زور ڈالا جا رہا تھا کہ ایک "لایق" دیوان جلد سے جلد مقرر کیا جائے۔ جب ان پیہم تقاضوں کا کوئی اثر نہ ہوا تو اپریل ۱۸۴۵ء میں لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل نے نظام کو ایک خط لکھا جس میں ریاست کی بدانتظامی پر سخت نکتہ چینی کی گئی تھی اور ڈھکے چھپے الفاظ میں کہہ دیا گیا تھا کہ اگر ہمارے "دوستانہ نصائح" پر توجہ نہ کی گئی تو نتائج خطرناک ہوں گے۔ جون ۱۸۴۶ء میں جب ۵ سرکش زمینداروں نے غدر برپا کیا تو حکومت نظام کو کنٹیجنٹ کی خدمات دینے سے انکار کر دیا گیا [۲]۔ اور رزیڈنٹ نے طرح طرح کی مشکلات پیدا کرنی شروع کیں۔ اس نے گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھا کہ وہ دیوان کے تقرر کے لئے نظام پر سختی کے ساتھ زور ڈالے اور اس کے ساتھ ہی اس قرض کا بھی تقاضا کرے جو کنٹیجنٹ کے سلسلہ میں ۳۸ لاکھ کی رقم تک پہونچ چکا ہے

---

[۱] میمو آئیرز صفحہ ۲۰۳

[۲] میمو آئیرز صفحہ ۲۰۷

اس تجویز کے مطابق ، ۱۷ ستمبر ۱۸۴۶ء کو لارڈ ہارڈنگ نے نواب ناصر الدولہ بہادر کے نام ایک خط لکھا جس میں دیوان کے تقرر اور قرض کی ادائیگی پر بہت زور دیا گیا تھا اس کے ساتھ ہی رزیڈنٹ کو لکھا گیا کہ نظام پر دباؤ ڈالنے کے لئے جس فوجی مظاہرہ کی ضرورت ہے وہ فی الحال ممکن نہیں ہے کیونکہ مدراس کی فوج ساگر و نربدا میں مشغول ہے۔ بمبئی کی فوج سندھ میں ہے اور بنگال کی فوج لاہور میں رکی ہوئی ہے۔ [ا]

انگریزی حکومت کے زور دینے پر نظام ایک ایسا مدار المہام کے تقرر پر راضی ہو گئے اور انہوں نے نواب شمس الامراء و امیر کبیر کو اس منصب کیلئے منتخب کرنا چاہا۔ لیکن رزیڈنٹ سراج الملک سے سخت ویز کر چکا تھا اس نے انہی کے تقرر پر زور دیا اور اعلیٰ حضرت کی ناراضی کے باوجود یہاں تک زور دیا کہ وہ ان ہی کو مقرر کرنے پر مجبور ہو گئے [۲]۔ سراج الملک سے اعلیحضرت کی ناراضی کسی ذاتی کاوش کی بناء پر نہ تھی بلکہ اس بناء پر تھی کہ انہوں نے اپنے آپ کو رزیڈنٹ کے حوالے کر دیا تھا۔ ۲ر نومبر ۱۸۴۶ء کو (عین اس دن جبکہ سراج الملک مدار المہام بنائے گئے) اعلیٰ حضرت نے خود سراج الملک کی موجودگی میں جو گفتگو کی تھی اس کا مفہوم رزیڈنٹ کے الفاظ میں یہ ہے کہ

"برے صلاح کاروں نے سراج الملک کی طرف سے ہز ہائی نس کے ذہن کو مسموم کر دیا ہے اور انہیں یہ بات سمجھائی ہے کہ میرا مقصد سراج الملک کے

[ا] میمو آئیرز صفحہ ۲۰۹

[۲] تاریخ رشید الدین خانی ص ۳۷۰ ـ ص ۳۷۳

تقرر کی تجویز کرنے سے دراصل ان کو یہ موقع دینا ہے کہ آخر کار ملک کو برٹش گورنمنٹ کے سپرد کردیں۔

سراج الملک کے مدار المہام ہوتے ہی مطالبہ قرض کے تمام تقاضے بند ہوگئے اور رزیڈنٹ کے مشورے سے کاروبار سلطنت انجام پانے لگے۔ فوجی معاملات کے سلسلہ میں انگریزی مفاد کی سب سے بڑی خدمت جو سراج الملک نے کی وہ یہ تھی کہ ان دیسی فوجوں کو جن کا ایک بڑا حصہ عربوں اور پٹھانوں پر مشتمل تھا جو کلیتہً نظام کے زیر اختیار تھیں اور جن پر کسی خطرے کے وقت نظام اپنی حفاظت کیلئے بھروسہ کرسکتے تھے موقوف کرنا شروع کردیا۔ رہبو کی جمعیت کے منتشر ہونے کے بعد بھی ایسی فوج رہ گئی تھی جس پر نظام کی ساری جنگی طاقت کا انحصار تھا اور اسی فوج کا وجود انگریزی حکومت کو کھٹک رہا تھا نواب ناصر الدولہ مرحوم کے زمانہ میں اس فوج کی کل تعداد ۳۵ ہزار کے قریب تھی جنمیں سے دس ہزار سپاہی خاص دار السلطنت میں موجود رہتے تھے۔ انگریزی حکومت چاہتی تھی کہ انہیں موقوف کیا جائے یا کم از کم ان کی تعداد نصف سے زیادہ گھٹادی جائے حکومت نظام جب کبھی کنٹنجنٹ کے کثیر اخراجات کیلئے روپیہ بہم پہونچانے سے اپنی معذوری ظاہر کرتی تو جواب میں بھی تجویز پیش کردی جاتی تھی کہ اس بیکار انبوہ پر جو ۲۳ لاکھ روپیہ سالانہ تم خرچ کرتے ہو اسے بند کرو اور کنٹنجنٹ کیلئے روپیہ دو۔ سراج الملک نے انگریزی حکومت کی اسی خواہش کو اپنے عہد وزارت میں پورا کرنے کی کوشش کی اور ۱۸۴۳ء میں تقریباً ۔ا ہزار کو برطرف کردیا خود دار السلطنت کی فوج میں سے ۶ ہزار فوج کو انگریزی رسالوں کی مدد سے زبردستی منتشر کیا گیا[۵]

میمو آئیرز صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳ / ۲۶۱ و ۲۶۲ ۵ے میموآئیرز صفحہ ۲۱۱ ۱ے

اور اس طرح مرکز حکومت میں خود اپنی فوج صرف ۴ ہزار رہ گئی حالانکہ سکندرآباد سے الوال تک جو انگریزی فوج پڑی ہوئی تھی اسکی تعداد پانچ چھ ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔

سراج الملک کی اسی انگریز پرستانہ پالیسی کو دیکھکر نواب ناصرالدولہ بہادر کی ناراضی یہاں تک بڑھ گئی کہ حضور نے انکی باریابی تک بند کر دی اور عیدین پر نذرانہ تک پیش کرنے کیلئے ان کو حاضری کا موقع نہ دیا۔[ل] ستمبر ۱۸۴۸ء میں اعلیحضرت نے رزیڈنٹ کو بلا کر اپنی اس خواہش کا صاف اظہار کر دیا کہ وہ سراج الملک کو مدارالمہامی سے الگ کر دینا چاہتے ہیں۔ انگریزی حکومت سراج الملک کی حمایت کا عہد کر چکی تھی اور کرنل لو نے اپنی آنکھوں سے کورٹ آف ڈائرکٹرز کا وہ مراسلہ دیکھا تھا جسمیں گورنمنٹ آف انڈیا کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ سراج الملک کی قطعی تائید کیجائے۔[ل] لیکن اس کے باوجود نواب ناصرالدولہ جلیسے فرمانروا کے سامنے کھلم کھلا دیوان کی حمایت نہیں کیجا سکتی تھی اس لئے لارڈ ڈلہوزی نے اکتوبر ۱۸۴۸ء میں رزیڈنٹ کو لکھا کہ ہز ہائی نس خود مختار ہیں جس کو چاہیں وزیر مقرر کر دیں لیکن انہیں صاف طور پر متنبہ کر دو کہ اس کا انجام بہت برا ہوگا لارڈ ڈلہوزی کے الفاظ یہ تھے۔

"گورنر جنرل ہز ہائی نس کو متنبہ کرتے ہیں کہ اگر وہ اسی روش پر چلتے رہے تو ان کا ملک خوشحال اور پر امن نہ رہے گا اور ایسی صورت میں برٹش گورنمنٹ خود اپنے مقبوضات کے سکون اور اپنی رعیت کے مفاد کا لحاظ کرتے ہوئے

[ل] رشید الدین خانی صفحہ ۳۷۵—۷۶

[ل] میمو آیرز صفحہ ۳۵۶

ایک ہمسایہ ریاست میں شورش اور اضطراب کے وجود کو گوارا نہ کر سکے گی خصوصاً جبکہ وہ خود اس کے اپنے مفاد اور سلامتی و اطمینان کے لئے مضرت رساں ہو۔ ایسے حالات میں برٹش گورنمنٹ غالباً اپنے آپکو مجبور پائے گی کہ ہز ہائی نس کی مملکت کے اندرونی انتظام میں قطعی مداخلت کرے تاکہ اپنی رعیت تک اس مضرت اور تکلیف کو پہنچنے سے روک دے جو ایک ہمسایہ ریاست کی پراگندہ حالت سے ان پر نازل ہونی ضروری ہے"[1]

یہ تنبیہ نامہ نظام تک پہنچایا گیا مگر انہوں نے اس کا کوئی اثر نہ لیا۔ جنرل فریزر نے کہا کہ ایسی حالت میں سراج الملک کی علیحدگی گورنر جنرل کی ناراضی کا باعث ہوگی۔ نواب نے جواب دیا کہ اگر گورنر جنرل ناخوش ہونگے تو بہتر ہے کہ غفراں آب اور مغفرت آب کی جگہ پر بھی سراج الملک ہی بٹھائے جائیں آخر کار سراج الملک نومبر ۱۸۴۸ء میں الگ کئے گئے اور انکی جگہ عارضی طور پر امجد الملک مدارالمہام بنائے گئے۔

ادھر سراج الملک ہٹائے گئے اور ادھر قرض کا تقاضہ شروع ہوگیا، دسمبر ۱۸۴۸ء میں ریذیڈنٹ کے نام حکم آیا کہ کنٹجنٹ کے حساب میں نظام کے ذمہ جو قرض ہے اسکی مقدار اب بہت ہوگئی ہے نظام سے کہو کہ سود برابر ادا کرتے رہیں اور اصل رقم کی ادائیگی کا جلد انتظام کریں۔ نیز کنٹجنٹ کی تنخواہوں کے ادا کرنے میں

میموآئیرز صفحہ ۲۶۶ لہ

[1] رشیدالدین خانی صفحہ ۳۸۱

[2] پہلے ۱۲ فیصدی کی شرح لگائی گئی تھی۔ ۱۸۴۵ء میں اسے گھٹا کر ۶ فیصدی کر دیا گیا

اب زیادہ تساہل کو گوارا نہیں کیا جائے گا۔ آخر میں لکھا تھا کہ:-

"ہز ہائی نس صاف طور پر سمجھ لیں کہ اگر ان مطالبات کو باقاعدگی کے ساتھ پورا نہ کیا گیا تو گورنر جنرل ایسی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کرنے پر مجبور ہونگے جو ان مقاصد کی تکمیل کے لئے بھی موثر ہوں جن کا اس گورنمنٹ نے ایمانداری کے ساتھ عہد کیا ہے اور خود اس کے اپنے مفاد کے تحفظ کیلئے بھی"[۵۱]

اس دھمکی کا اثر یہ ہوا کہ نواب ناصر الدولہ نے امجد الملک کی جگہ نواب شمس الامراء امیر کبیر کو مدار المہام مقرر کیا۔ اور شمس الامراء نے کنٹیجنٹ کی تنخواہ ماہ بماہ ادا کرنے کا انتظام کر دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے رزیڈنٹ کو یقین دلایا کہ وہ قرض کا سود برابر دیتے رہیں گے اور اصل میں سے ۵ لاکھ سالانہ ادا کریں گے جس سے ۱۲ سال میں کل قرض ادا ہو جائے گا۔ لیکن رزیڈنٹ نے اتنی مہلت دینے سے انکار کر دیا۔

شمس الامراء نے جس طریقے سے ملک کا انتظام شروع کیا تھا اس سے امید ہوتی تھی کہ وہ اس عظیم الشان خطرے سے اسکو بچالیں گے جو قضائے مبرم کیطرح اس کے سر پر منڈلا رہا تھا لیکن افسوس کہ دربار کی سازشوں نے اس وفادار خادم دولت کو ۵ مہینے بھی چین سے نہ ٹکنے دیا اور آخر کار مئی ۱۸۴۹ء میں اسے استعفیٰ دینا پڑا۔

جون ۱۸۴۹ء میں ڈلہوزی نے رزیڈنٹ کو لکھا کہ ایک خوشگوار صبح کو نظام اپنے نتائج اعمال کے ہاتھوں جھنجھوڑ کر جگائے جائینگے"۔ ایک اور خط میں اس نے لکھا کہ مجھے بڑا افسوس ہے کہ نظام خود اپنے ہاتھوں اپنا سر پھوڑنے پر تلے ہوئے ہیں لیکن اگر

---

۵۱ میمو آئرز صفحہ ۲۹۰

انہوں نے ایسا کرنے کا فیصلہ ہی کر لیا ہے تو میں اس کا انتظام کر لوں گا کہ اس گورنمنٹ کے مفاد کی پوری طرح حفاظت کی جائے۔ اودھ میں انکی شاہی برادری کا ایک دوسرا بھائی اسی روش پر چل رہا ہے، جونہی کہ لارڈ ہارڈنگ کی دی ہوئی دو سالہ مہلت ختم ہو گی میں کارروائی کرنے پر مجبور ہوں گا۔ مختصر یہ ہے کہ میرے ہاتھ کچھ عرصہ کے لئے ان مورکھ رئیسوں سے بھرے رہتے نظر آ رہے ہیں۔[۱]

ان دھمکیوں میں جو معنے پوشیدہ تھے وہ کچھ زیادہ عرصہ تک چھپے نہ رہے شمس الامراء کی علیحدگی کے بعد کنٹنجنٹ کی تنخواہیں پھر بقایا میں رہنے لگیں اعلیحضرت نے راجہ رام بخش کو دوبارہ پیش کار مقرر کیا مگر انتظام کے لئے ان سے زیادہ قابل آدمی کی ضرورت تھی۔ آخر ستمبر ۱۸۴۹ء میں نظام کو نوٹس دیدیا گیا کہ ۳۱ دسمبر ۱۸۵۰ء تک تمام قرض ادا کر دیا جائے ورنہ برٹش گورنمنٹ جو مناسب سمجھے گی کرے گی۔ لارڈ ڈلہوزی نے صاف کہدیا کہ بحیثیت قرض خواہ اس گورنمنٹ کو نظام پر رحم کھانے کی وجہ نہیں ہے اب وہ انکو ڈھیل نہیں دیگی۔[۲]

قرض کے بدلے ملک کا مطالبہ

ڈلہوزی خود جانتا تھا کہ ۱۵ مہینہ کی مدت میں نظام کے لئے ۶۰ لاکھ روپیہ کی رقم مع سود ادا کرنا مشکل ہے خصوصاً جبکہ اس کے ساتھ ہی کنٹنجنٹ کے سلسلہ میں

---

[۱] میمو آئیرز صفحہ ۲۹۱ و ۲۹۲

[۲] میمو آئیرز صفحہ ۲۹۹

۳ لاکھ ۳۵ ہزار روپیہ مہینہ کا مستقل خرچ بھی ان کے ساتھ لگا ہوا ہے اس لئے اس نے نوٹس دینے کے بعد ہی نومبر ۱۸۴۹ء میں رزیڈنٹ کو لکھا کہ اب میں نے ایک آخری کارروائی کرنے کا عزم کر لیا ہے لہٰذا تم خفیہ طور سے اپنی رائے بتاؤ کہ قرض کے عوض کفالت میں نظام کے ملک کا کونسا حصہ مانگنا زیادہ مناسب ہوگا۔[۵۱] اس کے جواب میں جنرل فریزر نے ۱۹ دسمبر ۱۸۴۹ء کو ڈلہوزی کے نام ایک طویل خط لکھا جس کے بعض حصے قابل مطالعہ ہیں۔

"برار پائین گھاٹ تجارتی اور زرعی دونوں حیثیات سے نظام کی مملکت کا سب سے زیادہ زرخیز اور نفع بخش حصہ ہے اور میں نے کبھی نہیں سنا کہ اسکی مالگزاری کے وصول کرنے میں کوئی دقت پیش آئی ہو میں یقین رکھتا ہوں کہ روئی کی پیداوار کے لحاظ سے ہندوستان کا کوئی خطہ اس پر فوقیت نہیں رکھتا اور اس چیز کی پیداوار اور برآمد ہمارے انتظام میں اس سے بدرجہا زیادہ ہو جائے گی جتنی اب تک رہی ہے۔

آگے چل کر فریزر کہتا ہے کہ اس علاقہ کی آمدنی کے متعلق زیادہ تحقیق کرنا مشکل ہے کیونکہ کھود کھود کر پوچھنے سے شبہات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے پھر لکھتا ہے

"اگر کل آمدنی صرف ۳۵ لاکھ ہوئی جیسا کہ یہاں فرض کیا جا رہا ہے تو اس کمی کو قریب کا مزید علاقہ لیکر پورا کیا جا سکتا ہے اور ایسا کرنا ضروری ہی ہوگا جبکہ ہم کنٹنجنٹ کے مصارف کے ساتھ آپا دیسائی کی چوتھ اور مہیپت رام کے خاندان کے سالیانہ کو بھی شامل کر لیں جسکی مجموعی مقدار ۱۲۶۰۰۰

---

۵۱ میمو آئیرز صفحہ ۳۰۲

تک پہونچتی ہے۔ نیز ۳۲۴۰۰۰ سالانہ کے سود کو بھی شامل کرلیں جو نظام کے قرض پر عائد ہوگا۔ اس طرح کنٹنجنٹ کا خسارہ اور یہ رقمیں ملکر تقریباً سات آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ ہوجائیں گی اور اس کے لئے مناسب ہوگا کہ ضلع دولت آباد کا ایک حصہ بھی لے لیا جائے۔ اگر نظام اس پر اعتراض کریں کیونکہ غالباً وہ اپنی مملکت کے اس حصہ کو ہمارے انتظام میں دینا پسند نہ کریں گے جس میں اورنگ آباد اور دولت آباد واقع ہیں تو ہم ناندیڑ اور کلم کے اضلاع کا بالائی حصہ طلب کرسکتے ہیں کہ وہ بھی کمی کو پورا کرنے کے لئے کافی ہوگا۔[1]

۱۸۵۰ء کا ابتدائی زمانہ خاموشی کے ساتھ گذرا کیونکہ سال کے آخر تک کی مہلت دیجا چکی تھی۔ نظام ادائے قرض کے انتظام کے لئے برابر جدوجہد میں مشغول تھے لیکن جب سال ختم ہونے کے قریب آیا تو معلوم ہوا کہ وہ مدت مقررہ کے اندر قرض ادا نہ کرسکیں گے۔ راجہ رام بخش پیشکار انکی توقعات کو پورا نہ کرسکے قرض کی مقدار ۶۴ لاکھ تک پہنچ گئی اور خزانہ میں کچھ مہیا نہ ہوسکا۔ آخر ۷ر اکتوبر ۱۸۵۰ء کو اعلیحضرت نے انہیں الگ کردیا اور رزیڈنٹ کو بلا کر کہا کہ "راجہ رام بخش نے مجھ سے قطعی وعدہ کیا تھا کہ ۶۰ لاکھ روپیہ مہیا کردینگے مگر ان کا وعدہ غلط نکلا اب مجھے مزید مہلت دو میں پچاس دن میں ۳۰ لاکھ روپیہ دیدوں گا اور اسکے بعد دو سال کے اندر پوری رقم ادا کردوں گا"۔ لیکن رزیڈنٹ نے مہلت دینے سے انکار کیا اور نہ اقرار[2]

---

[1] میمو آیرز صفحہ ۲۰۵ و ۳۰۶

[2] " " ۳۱۴

۱۶ ؍ ڈسمبر کو اعلحضرت نے سراج الملک کے ہاتھ پھر پیام بھیجا کہ ہم ۱۲ لاکھ روپیہ سالانہ کے حساب سے قرض ادا کردیں گے۔ لیکن رزیڈنٹ نے صاف جواب دیا کہ مجھے امید نہیں کہ گورنر جنرل اپنے فیصلہ کو بدل دیں گے۔ ۲۲ ؍ ڈسمبر کو اعلحضرت نے خود جنرل فریزر کو بلاکر فرمایا کہ میرے پاس اب بھی سوا کروڑ روپیہ کے جواہر موجود ہیں تم برٹش گورنمنٹ کو اطمینان دلادو کہ اس کا قرض ڈوبے گا نہیں۔ لیکن رزیڈنٹ کا وہی ایک جواب تھا کہ میں آپ کے ارشادات گورنر جنرل تک پہنچادونگا مگر مجھے امید نہیں کہ وہ اپنے فیصلہ کو بدلیں گے۔ اسطرح مدت معینہ گذر گئی اور قرض ادا نہ ہوسکا اس وقت قرض کی تعداد ۷۰ لاکھ سے زیادہ ہوچکی تھی۔

اس زمانہ میں برار کو جسے ارض موعود سمجھا جارہا تھا انگریزی تسلط کیلئے تیار کرنے کی تدبیریں شروع کردی گئیں انگریزی علاقہ سے روہیلوں کی ایک تعداد کثیر اس علاقہ میں گھس آئی اور اس نے وہاں شورش و بدامنی کا سلسلہ شروع کردیا[۱] اور وہاں کے پُرامن باشندے انکی شرارتوں سے بھاگ بھاگ کر انگریزی علاقہ میں پناہ لینے لگے۔ یہ ملک گیری کیلئے جواز کا پہلو نکالنے کی پرانی تدبیر ہے جو مملکت برطانیہ کی توسیع کیلئے بارہا استعمال کی جاچکی ہے اسکے ساتھ ہی رزیڈنٹ نے جنوری ۱۸۵۱ء میں ملک برار کا پورا نقشہ معہ تعلقہ وار آمدنی کے بناکر گورنر جنرل کو بھیجا اور لکھا کہ میری رائے میں برار پائین گھاٹ اور برار بالاگھاٹ ہمارے مقاصد کیلئے بہترین اضلاع ہونگے مگر انکے ساتھ ہمیں سرکار دولت آباد کو بھی شامل کرلینا چاہئے[۲] یہی نہیں بلکہ اسی زمانہ میں جنرل فریزر نے ان افسروں کو بھی نامزد کردیا جنکے سپرد وہ برار کا انتظام کرنا چاہتا تھا۔

---

[۱] میمو آئیرز صفحہ ۳۲۳ [۲] میمو آئیرز صفحہ ۳۲۶

اس وقت نظام کے لئے مالی مشکلات سے زیادہ پریشان کن یہ چیز تھی کہ وزارت کیلئے کوئی ایسا وفادار آدمی نہ ملتا تھا جو رزیڈنٹ کے اثر سے آزاد رہکر ایمانداری کے ساتھ ان کی خدمت کرسکے۔ فروری ۱۸۵۱ء میں انہوں نے غور و خوض کے بعد گنیش راؤ کو پیشکار بنایا جس کی خصوصیت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ رزیڈنٹ کے بجائے خود اعلیحضرت کے ہاتھ میں کٹ پتلی بن سکتا تھا لیکن اسکی ناقابلیت نے رزیڈنٹ کو مخالفت کا اچھا بہانہ دیدیا اور اس نے گنیش راؤ کے ساتھ سرکاری تعلق رکھنے سے صاف انکار کردیا۔ اس کی اصلی شکایت یہ تھی کہ نظام نے ایسے شخص کو پیشکار بنایا ہے جو ان کے ہاتھ میں کٹ پتلی کی طرح ناچتا ہے۔ حالانکہ اس کو رزیڈنٹ کے ہاتھ میں ناچنا چاہیئے فریزر کی رائے میں بہتر تو یہ تھا کہ سارا ملک انگریزی انتظام میں لے لیا جاتا[۱] لیکن

---

[۱] یہاں اس امر کی تصریح ضروری ہے کہ فریزر ۱۸۴۹ء سے ۱۸۵۲ء کے وسط تک برابر اس بات پر زور دیتا رہا کہ پوری ریاست انگریزی انتظام میں لی جائے لیکن لارڈ الن برو، لارڈ ہارڈنگ، لارڈ ڈلہوزی تینوں گورنر جنرلوں کو اپنے اپنے عہد حکومت میں اتنی فرصت نہ ملی کہ وہ اس پر عمل کرتے الن برو کے زمانہ میں جب یہ سفارش کیگئی تو اس نے اپنے ۲۰ فروری ۱۸۴۴ء کے خط میں صاف طور پر لکھدیا کہ "آج کل سندھ اور ستلج میں فوج کی زیادہ ضرورت ہے میں جانتا ہوں کہ ہمیں حیدرآباد میں بھی بہت کچھ کرنا ہے مگر میں ایک وقت میں دو کام نہیں کرسکتا جب اس کا وقت آئیگا تو اس کے معاملات کو بھی سلجھایا جائیگا (میمو آئیرز صفحہ ۲۰۲) لارڈ ہارڈنگ کے زمانہ میں جب فریزر نے پھر اس مسئلہ کو چھیڑا تو اس نے معذرت کی کہ مدراس بنگال اور بمبئی کی فوجیں ساگر نربدا، لاہور سندھ میں پھنسی ہوئی ہیں اس لئے کچھ نہیں کیا جاسکتا (میمو آئیرز صفحہ ۲۰۹) پھر لارڈ ڈلہوزی کے زمانہ میں اس نے متعدد مرتبہ اس تجویز کو پیش کیا ڈلہوزی نے منافقانہ انداز میں جواب دیدیا کہ ہمارا ایسا کرنا بدعہدی و پیمان شکنی کا مرادف ہوگا مگر واقعہ

اگر ایسا نہ ہو سکے تو۔

"اس کا واحد بدل، اگرچہ بہت ناکافی ہی سہی صرف یہ ہو سکتا ہے کہ ایک دیوان اس صریح مفاہمت کے ساتھ مقرر کیا جائے کہ اگرچہ وہ آخر میں تو اپنے بادشاہ اور ملک کے سامنے جوابدہ ہوگا لیکن حکمرانی میں اسکے اختیارات مطلق ہوں گے اور اسے رزیڈنٹ کی موافقت سے کام کرنا ہوگا۔"[۱]

ایک دوسری تحریر میں فریزر نے حیدرآباد کی مدارالمہامی کے متعلق اپنا نقطۂ نظر اس طرح پیش کیا ہے۔

"اس ملک کے انتظام میں کوئی ایسا شخص اچھی طرح کامیاب نہیں ہو سکتا جو ملک کے باشندوں کا اعتماد نہ رکھتا ہو اور اس سے بھی زیادہ ضروری صفت کی حیثیت سے، جس کو برٹش گورنمنٹ کا اعتماد نہ حاصل ہو۔"[۲]

۱؎ میمو آئیرز صفحہ ۳۳۱

۲؎ میمو آئیرز صفحہ ۳۳۳

(بقیہ حاشیہ ص۷۷) یہ ہے کہ پنجاب و صوبہ سرحد کی زبردست فوجی مشکلات نے اسکو اتنی مہلت نہیں دی کہ حیدرآباد کی پوری ریاست پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتا۔ ۱۸ اکتوبر ۱۸۴۸ء کے ایک خط میں وہ خود لکھتا ہے کہ "خواہ واقعات کچھ پیش آئیں جب تک پنجاب میں جنگ ختم نہ ہو جائے اور ملک کے اس حصہ کے معاملات طے نہ ہو جائیں حکومت ہند نہ تو حیدرآباد کی سلطنت میں کسی قسم کی بڑی اصلاحات کا بار اٹھا سکتی ہے اور نہ کسی بڑے سیاسی انقلاب کا انتظام کر سکتی ہے اگر نظام اپنے مصائب کو بڑھانا پسند کرتے ہیں تو وہ خود اپنے راستہ پر چلتے رہیں گورنمنٹ آف انڈیا کو ابھی انکی خبر لینے کی فرصت نہیں ہے البتہ اگر وہ فی الواقع لڑنا ہی چاہیں تو ایسی صورت میں بیشک ہم اُن سے بھگتیں گے (میمو آئیرز ص۲۶۵)

رزیڈنٹ اور نظام کے درمیان یہی کشمکش جاری تھی کہ ۶ جولائی ۱۸۵۱ء کو گورنمنٹ آف انڈیا کے سکرٹری کی جانب سے ایک طویل مراسلہ جنرل فریزر کو موصول ہوا جس میں برار پائین گھاٹ اور دوآبہ رائچور کے متعلق اس کی تجاویز پر اظہار پسندیدگی کیا گیا تھا اور گورنر جنرل کی طرف سے اسکو ہدایت کی گئی تھی کہ نظام سے اس ملک کی تفویض کا مطالبہ کرے۔ آگے چل کر اس خط میں لکھا تھا کہ

"اگر نظام تمہاری مقرر کی ہوئی مدت کے اندر گورنمنٹ کے مطالبات کو پورا نہ کریں تو تم ان سے ایک قطعی جواب لینے کے لئے آخری ملاقات کی درخواست کرنا۔ اگر ہز ہائی نس اس موقع پر بھی راضی نہ ہوں یا ایسے انتظامات کرنے سے قاصر رہیں جو مطلوب ہیں تو اس سے تم گورنر جنرل کو مطلع کرنا"۔

اس قسم کی اطلاع ملنے پر تمہیں اس امر کے متعلق ہدایات بھیجدیجائینگی کہ گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے مبینہ اغراض کے لئے مذکورہ اضلاع پر قبضہ کر لو۔ ان ہدایات کے ملنے کی امید پر تم لکھو کہ آیا تمہیں سب سیڈیری فوج اور کنٹنجنٹ کے علاوہ کچھ اور فوج بھی اس فیصلہ کی تعمیل کیلئے درکار ہوگی"

اس کے ساتھ ہی فریزر کو لارڈ ڈلہوزی کا ایک خریطہ بھی ملا جو اعلیحضرت کے نام لکھا گیا تھا۔ خود لارڈ ڈلہوزی کے الفاظ میں اس کا مخاطب ایک پرانا اور گہرا دوست تھا جس کے ساتھ پچاس سال سے زیادہ عرصہ سے برٹش گورنمنٹ کے "دوستانہ تعلقات" تھے لیکن ان سب باتوں کے باوجود اس خط میں اسی "یار وفادار" کو اس برٹش گورنمنٹ کے غضب سے ڈرایا گیا تھا جسکی طاقت کا یہ حال

تھا کہ

"ہر گاہ خواہد آں عالی شان را پامال ساختہ بے نام و نشان سازد"

ان خشمناک دھمکیوں کے ساتھ دو امور کا مطالبہ کیا گیا تھا ایک یہ کہ کنٹیجنٹ کے سلسلہ میں جو قرض ۷۵ لاکھ تک پہنچ چکا ہے اسے ادا کرو۔ دوسرے یہ کہ کنٹیجنٹ کا قرض باقاعدگی کے ساتھ دو جس کے تم از روئے معاہدہ پابند ہو[ا]

ان دونوں اغراض کیلئے نظام پر زور دیا گیا تھا کہ وہ اپنی عرب اور دوسری بیقاعدہ فوج کو برطرف کردیں تاکہ کنٹیجنٹ کی پرورش کیلئے کافی رقم بچ سکے[۲]

اس خریطہ نے دربار میں ایک کھلبلی مچادی۔ نواب ناصر الدولہ کو ایک طرف گورنر جنرل کی درشت کلامی سے انتہائی رنج پہونچا اور دوسری طرف ریاست کے مستقبل کے متعلق سخت تشویش لاحق ہوئی۔ آخر اس بلا کو ٹالنے کے لئے انہوں نے جون ۱۸۵۱ء کے آخر میں سراج الملک کو از سر نو دیوان بنایا اور ادائے قرض کیلئے شدید جد و جہد شروع کردی جو کچھ خزانہ سے مہیا ہو سکا وہ بہت کم تھا۔ کمی کو پورا کرنے کے لئے نواب نے خود اپنے پاس سے ایک جنبیہ۔ ایک سرپیٹی ایک کنٹھی۔ ایک ہار۔ ایک طرہ۔ ایک جوڑ دستبند۔ اور ایک پارہ الماس ناتراشیدہ دیگرا ُسے رہن رکھا۔ کچھ ریاست کے امراء سے روپیہ لیا اور اس طرح ۱۵ اگسٹ ۱۸۵۱ء کو ۵۸۴۸۰۴۳ کلدار رزیڈنٹ کے حوالے کئے اب صرف

[ا]۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ لارڈ ڈلہوزی نے خود بارہا اعتراف کیا تھا کہ نظام پر از روئے معاہدہ کنٹیجنٹ رکھنے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

[۲] Hyderabad affairs Vol. 11. P. 522, '528.

۳۲۹۷۷۰۲ روپے باقی رہ گئے تھے جس کے لئے نظام نے ۳۱ر اکتوبر تک کی مہلت لی۔ لیکن اس مدت میں اتنی رقم کا انتظام نہ ہو سکا اور دسمبر میں صرف ۸۷۳۵۴۷ روپے ادا کئے جا سکے۔

۱۸۵۲ء کا آغاز اس طرح ہوا کہ نظام ادائے قرض کے لئے جان توڑ جد وجہد کر رہے تھے اور انگریزی حکومت قرض کے بدلہ میں ملک لینے کی تدبیروں میں منہمک تھی۔ اب انگریزی حکومت کی طرف سے قرض کا تقاضہ بہت سست ہو گیا تھا بلکہ اپریل ۱۸۵۲ء میں لارڈ ڈلہوزی نے رزیڈنٹ کو لکھ دیا تھا کہ :-

> کنٹنجنٹ کی تنخواہیں باقاعدہ ادا کرنے کا ضرور انتظام کرو مگر اس وقت کمپنی کے اصل قرضہ کی ادائیگی پر زور دینے سے احتراز کرو"۔[۵۱]

ڈلہوزی کی خواہش یہ تھی کہ نظام کو کافی عرصہ تک قرض کی طرف سے غافل رکھا جائے اور جب قرض اس حد تک پہونچ جائے کہ ادا کرنا ان کے لئے مشکل ہو تو دفعتہً ملک کی تفویض کا مطالبہ کیا جائے۔ چنانچہ ۱۸۵۲ء کے اواسط میں اسی پالیسی کے مطابق ملک ہضم کرنے کے نقشے بنتے رہے۔ ڈلہوزی کو پورا احساس تھا کہ موجود الوقت معاہدات سے برٹش گورنمنٹ کو کنٹنجنٹ رکھنے اور اس کا خرچ نظام سے لینے کا کوئی حق نہیں ہے اس لئے وہ چاہتا تھا کہ نظام سے ایک جدید معاہدہ کیا جائے جس کی رو سے کنٹنجنٹ کو جواز کا جامہ پہنا دیا جائے اور اگر نظام اس پر راضی نہ ہوں تو ان سے زبردستی دستخط حاصل کئے جائیں۔ ۶ ستمبر ۱۸۵۲ء کو اس نے فریزر کے نام جو خط بھیجا تھا اس میں بیان کرنے کے بعد

---

۵۱ میمو آئیرز صفحہ ۳۷۴

ازروئے معاہدہ کنٹنجنٹ کا وجود جائز نہیں ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ

"میرے بیان کردہ وجوہ کی بناء پر ہم کو قطعی طور پر یہ مطالبہ کرنا چاہیئے کہ کنٹنجنٹ کو ایک ایسے معاہدہ کے ذریعہ واضح اور محفوظ بنیاد پر قائم کر دیا جائے جو خاص اسی مقصد کے لئے ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کے ضمیمہ کی حیثیت سے طے کیا جائے، کنٹنجنٹ کی مقدار اور اس کے فرائض وغیرہ بصراحت متعین کر دیئے جائیں اور اس کے مصارف کے لئے ایک حصہ ملک برٹش گورنمنٹ کے سپرد کیا جائے۔ یہ علاقہ محض تفویض کیا جائے گا۔ اس کے شاہی حقوق منتقل نہیں کئے جائیں گے اور یہ تفویض اسی بنیاد پر ہو گی جس پر سندھیا نے ۱۸۴۳ء میں گوالیار کا ایک علاقہ کنٹنجنٹ کے لئے تفویض کیا ہے وہ خاص علاقہ جو اس طرح تفویض کیا جائے گا وہی ہو گا جس کو حکومت ہند اس وقت تک اپنے تصرف میں رکھنے کی خواہش ظاہر کر چکی ہے جب تک کہ وہ قرضہ جو اس کے حق میں واجب الادا ہے پورا کا پورا بازیافت نہ ہو جائے حکومت کے حقوق استعمال کرنے کی قوت لامحالہ ہم کو ان اضلاع میں حاصل ہونی چاہیے جو نظام ہمارے سپرد کریں گے۔"

"اس تفویض کردہ علاقہ کی آمدنی انتظام کے اخراجات وضع کرنے کے بعد اس طرح صرف کی جائے گی (۱) کنٹنجنٹ کے مصارف میں (۲) مذکورہ بالا قرض کے سود میں (۳) چھوٹی چھوٹی مدات میں (۴) باقی بچت اگر ہوئی تو وہ نظام کو ادا کر دی جائے گی۔ اور انکی اطلاع و طمانیت کے لئے مفوضہ علاقہ کے حسابات سال کے سال حکومت ہند کی طرف سے پیش کئے جائیں گے۔

اگر نظام اتنے غیر معقول ثابت ہوں کہ وہ ان تجاویز کو جو انہی کے مفاد کیلئے پیش کی جارہی ہیں رد کردیں تو یہ مسئلہ اتنا نازک ہوجائے گا کہ ابھی تک اتنا نازک نہیں ہوا ہے۔ سردست میں اپنے آپ پر کسی ایسے طریق عمل کے اظہار و اعلان کی ذمہ داری نہیں لینا چاہتا جسے حکومت ہند، اس صورت میں اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کرے گی۔ لیکن اگر فرض کرلیا جائے کہ نظام کی جانب سے کنٹیجنٹ کی نامنظوری کو گورنمنٹ منظور کرلے گی (خواہ وہ ایک ایسے رئیس کے طرز عمل کے متعلق کیسی ہی رائے رکھتی ہو جس کا رویہ اتنا غیر دیانتدارانہ ہوگا) تب بھی اس وقت اور آیندہ بھی کچھ عرصہ کیلئے کنٹیجنٹ کو رکھنا پڑے گا..... نظام کو ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی کہ اس فوج کو کنٹیجنٹ برطرف کردیں اور اس کے سپاہیوں کو ملک پر بے مہار چھوڑ دیں.....

پس اگر نظام کنٹیجنٹ کے بحال رکھنے کو نامنظور کریں تب بھی اس دوران میں کہ اس کو انجام کار فنا کرنے کی نیت سے رفتہ رفتہ گھٹایا جا رہا ہو۔ اس کے مصارف کا بندوبست ہونا چاہیئے۔ اس غرض کیلئے بھی ملک کی تفویض اتنی ہی ضروری ناگزیر ہے جتنی دوسری صورت میں ہوسکتی ہے نظام کو ملک دینے پر راضی ہونا چاہیئے۔ اگر وہ انکار کریں گے تو برٹش گورنمنٹ حق و انصاف پر ایسی دست برد کو ہرگز گوارا نہ کرے گی اور بیان کردہ اغراض کیلئے ان علاقوں پر عارضی قبضہ زبردستی حاصل کرے گی"[۵۱]

اس خط کے جواب میں جنرل فریزر نے اپنے خیالات بیان کرتے ہوئے

---

۵۱ میمو آئیرز صفحہ ۳۷۷، ۳۷۹

لارڈ ڈلہوزی کو بتایا کہ اس کی تجاویز نظام کے حق میں کیسی ہیں اس نے لکھا کہ

"جہاں تک ہمارا تعلق ہے اس مجوزہ انتظام کا درست اور حق بجانب ہونا ناقابل انکار ہے مگر جہاں تک نظام کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس تجویز میں ان کی یقینی بربادی اور ایک خود مختار بادشاہ کی حیثیت سے انکے اقتدار کی کامل موت ہے۔ میرا یہ خیال نہیں ہے کہ نظام کو اگر بُرے سے بُرے حالات میں بھی مبتلا کر دیا جائے۔ تب بھی وہ برٹش گورنمنٹ کے قطعی مطالبات یا احکام کی تعمیل میں کوئی مزاحمت کر سکیں گے مگر میں سمجھتا ہوں کہ ہم کو ان سے اس خاموش مقابلہ کی ضرور توقع کرنی چاہیئے جو اس شکل میں ہوگا کہ وہ مطلوبہ اضلاع کو ہمیں باقاعدہ تفویض کرنے سے انکار کر دیں گے اور اگر ہم ان اضلاع پر قبضہ کر لینا ہی پسند کریں تو وہ ہم کو جو ہمارا جی چاہے کر لینے دیں گے"۔ [۵۱]

ایک طرف "یار وفادار" کو "برباد" کرنے اور اس کے ملک پر "زبردستی" قبضہ کرنے کے لئے یہ منصوبے ہو رہے تھے اور دوسری طرف خود "یار وفادار" اپنی عزت اور سلطنت کے بچانے کے لئے آخری جدوجہد کر رہا تھا۔ ۱۸۵۲ء کے آخری زمانہ میں حیدرآباد کے بڑے بڑے ساہوکاروں کی ایک انجمن مسٹر ڈائیٹن ———————— کے زیر صدارت قائم کی گئی تاکہ متحدہ سرمایہ سے ایک سرکاری بنک کھولے اور حکومت کی مالی حالت درست کرنے کی کوشش کرے۔

---

[۵۱] میمو آئیرز صفحہ ۳۸۳ و ۳۸۴

نواب ناصر الدولہ بہادر نے اس جماعت سے ۰۸ لاکھ روپیہ قرض لینے کا بندوبست کیا اور کفالت میں نہایت قیمتی جواہر پیش کئے جنہیں مسٹر وائیٹن کی حفاظت میں دیدیا گیا۔ اس انتظام کے بعد سراج الملک نے رزیڈنٹ کو مطلع کیا کہ عنقریب کمپنی کا قرض ادا کر دیا جائے گا اور رزیڈنٹ نے اسکی اطلاع لارڈ ڈلہوزی کو دیدی۔ اگر لارڈ ڈلہوزی ایک "ایماندار پبلک مین" ہوتا جیسا کہ اس کا دعویٰ تھا تو اسے اس اطلاع کو اطمینان کی نظر سے دیکھنا چاہئے تھا۔ لیکن اس کے برعکس یہ خبر سنتے ہی وہ پریشان ہوگیا اور اس نے فوراً رزیڈنٹ کو لکھا کہ برطانی رعایا کے کسی فرد کی جانب سے کسی دیسی والی ریاست کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرز یا گورنمنٹ آف انڈیا کے کسی گورنر باجلاس کونسل کی اجازت کے بغیر روپیہ قرض دیا جانا پارلیمنٹ ایکٹ (۳۷)
George 111 Ch. 142 Sec. 28. کے خلاف ہوگا"۔ اس کے ساتھ ہی ڈلہوزی نے رزیڈنٹ کو حکم دیا کہ بلا تاخیر اس کو اطلاع دے کہ یہ بنک کن لوگوں نے کھولا ہے اور کون اس کو چلا رہا ہے؟ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی یورپین ہو تو حیدرآباد کی حکومت کو معاہدہ ۱۷۹۸ء کی دفعہ ۶ کے ماتحت اس سے کوئی کام لینے یا اس کو اپنے حدود مملکت میں رہنے کی اجازت دینے سے روک دیا جائے [۵۱]

اس حرکت کے معنی بیان کرنا اسکی وضاحت کی توہین کرنا ہے اس میں انگریزی قوم کے سیاسی اخلاق کی جو تصویر پیش کی گئی ہے وہ اتنی روشن

---

[۵۱] میمو آئیرز صفحہ ۳۹۰ و ۳۸۹

ہے کہ شرح بیان کی محتاج نہیں۔ لارڈ ڈلہوزی برار لینے کا عزم کر چکا تھا قرض وصول ہونے یا نہ ہونے کنٹیجنٹ کے قائم رہنے یا نہ رہنے کی اس کو پرواہ نہ تھی۔ اسے بہرحال برار لینا تھا اس لئے جو کوئی اس کی اس خواہش میں مزاحم ہوتا ہی اُسے قدرتی طور پر ایسا ہی مجرم ہونا چاہیئے تھا کہ حیدرآباد میں کاروبار کرنا کیا معنی نظام کے ممالک محروسہ میں بھی اس کے خطرناک وجود کو نہ رہنے دیا جاتا۔ چنانچہ مسٹر ڈائیٹن کو بہت جلدی حیدرآباد سے نکالدیا گیا۔ اور چونکہ وہ بھی لارڈ ڈلہوزی کے ہم قوم تھے اس لئے ان کا بھی کم از کم اتنا فرض ضرور تھا کہ چلتے چلتے وہ جواہرات بھی لے جاتے جو مجوزہ قرض کی کفالت میں حضور نظام نے دیئے تھے۔ ان جواہرات کو بعد میں سرسالار جنگ مرحوم نے بڑی کوشش سے حاصل کیا جبکہ قریب تھا کہ وہ ہالینڈ میں بیچ دیئے جاتے۔[1]

اس طرح جب روپیہ حاصل کرنے کی تمام تدبیروں میں ناکامی ہوئی اور شاہی خزانے کے بیش قیمت جواہر کا ایک بڑا حصہ قبضہ سے نکل گیا تو نظام بالکل بےبس ہو گئے۔ ان کی سلطنت کی مالی حالت اس وقت حد سے زیادہ خراب ہو رہی تھی۔ خزانہ بالکل خالی تھا۔ وسائل ثروت تقریباً سب کے سب ۵۰ سال کی مسلسل بدنظمی اور فضول خرچی کی نذر ہو چکے تھے۔ آمد و خرچ کے عدم توازن کا یہ حال تھا کہ ۲۷ لاکھ روپیہ کا سالانہ پیہم گھاٹا آ رہا تھا۔ صرف فوج کا خرچ ایک کروڑ سالانہ سے زائد تھا حالانکہ ریاست کی کل آمدنی نظم و نسق کے مصارف کو وضع کر کے صرف ایک کروڑ ۲۲ لاکھ تھی ایسی حالت میں ریاست کے خزانہ سے

---

[1] میمو آکیرز صفحہ ۳۹۲

۵۰ لاکھ ادا کرنا اور پھر ۲۴ لاکھ روپیہ سالانہ بھی ادا کرتے رہنا ناممکن تھا۔ اب دوسری صورت صرف یہ رہ گئی تھی کہ اس خاندانی دولت کو نکالا جاتا جو نظام کے بزرگوں نے ڈیڑھ صدی کے اندر جمع کی تھی سوا گریزدوستوں کی بدولت اس خاندانی دولت کا بھی ایک معتدبہ حصہ ہاتھ سے نکل گیا اور اس سے فائدہ اٹھانے کے موقع بھی چھن گئے۔ یہی بے بسی کی حالت تھی جس میں نظام کو تفویض برار کے اس معاہدہ پر دستخط کرنے کے لئے مجبور کیا گیا جو کرنل ڈیوڈسن اسسٹنٹ رزیڈنٹ کے الفاظ میں دھمکیوں اور بھپکیوں کا نتیجہ تھا۔

قرض کی اصلیت

تفویض برار کا معاہدہ جس طرح ہوا اسکی کیفیت بیان کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ قرض جس کی خاطر یہ سب کچھ ہو رہا تھا اس کی اصلیت کیا تھی اور قانوناً عرفاً، اخلاقاً وہ کہاں تک نظام کے ذمہ واجب الادا ہوسکتا تھا۔ اس کے لئے ذیل کے امور خاص طور پر قابل غور ہیں۔

(۱) کنٹنجنٹ قائم کرنے کے لئے نظام کی باضابطہ منظوری حاصل نہیں کی گئی تھی۔ اور محض پیشکار سے معاملہ طے کرکے اس کو نظام کے سر چپکا دیا گیا تھا۔ یہ فعل نہ صرف قانوناً ناجائز تھا بلکہ ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی دفعہ ۱۵ کے بھی خلاف تھا جسمیں ایسٹ انڈیا کمپنی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہزہائی نس کی اولاد عزیز و اقارب رعایا اور ملازموں سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے گی[۱]" اس معاہدہ کی رو سے

[۱] Aitchison. Vol. IX P. 72.

کمپنی کی حکومت کو کوئی حق نہ تھا کہ نظام کی اجازت کے بغیر بالا بالا پیشکار سے ایک ایسا معاملہ طے کر لیتی جس سے سلطنت کے خزانہ پر ۲۴ لاکھ روپیہ سالانہ کا ناقابل برداشت بار پڑتا تھا۔

(۲) کنٹیجنٹ باوجودیکہ نظام کے خرچ پر رکھی گئی تھی مگر اس کے انتظام میں نظام کو کوئی دخل دینے کی اجازت نہ تھی خود کمپنی کے ذمہ دار افسروں نے حتیٰ کہ خود گورنر جنرل نے تسلیم کیا کہ کنٹیجنٹ کے مصارف حد سے زیادہ ہیں۔ لیکن جب تک اس کا خرچ نظام کے خزانہ سے وصول ہوتا رہا اس وقت تک اس میں ایک پیسہ کی کمی نہیں کی گئی۔ اگر کمپنی تفویض برار کے معاہدہ سے صرف ۴ سال پہلے ہی کنٹیجنٹ کے مصارف میں اتنی تخفیف کر دیتی جتنی کہ معاہدہ کے بعد چار سال کے اندر اس نے کی تو ۱۸۵۳ء میں نظام کے ذمہ کمپنی کا ایک پیسہ قرض نہ ہوتا بلکہ نظام کے خزانہ میں الٹے دس لاکھ روپیہ بچ رہتے۔

(۳) ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی دفعہ ۱۲ کی رو سے نظام نے صرف یہ عہد کیا تھا کہ کسی تیسری طاقت سے جنگ چھڑنے کی صورت میں وہ ۱۵ ہزار سپاہیوں سے انگریزی حکومت کی مدد کریں گے اس کا یہ ہرگز منشاء نہ تھا کہ وہ اپنے خرچ سے انگریزوں کی مدد کے لئے خود انگریزوں کی نگرانی میں ۹ ہزار فوج ہمیشہ رکھیں گے خواہ جنگ ہو یا نہ ہو۔ خود لارڈ ڈلہوزی کے اقرار کے مطابق ۳۵ سال تک انگریزی حکومت کو ایسی کوئی جنگی ضرورت پیش نہیں آئی جس کے لئے نظام سے مدد طلب کی جاتی[۱]۔ پس اس لحاظ سے نظام کو خواہ مخواہ ۳۵ سال تک ۴۲ لاکھ روپیہ سالانہ

---

[۱] میمو آئیرز صفحہ ۴۲۵

(یعنی کل ۴ کروڑ ۰ ۷ لاکھ) ادا کرنے پر مجبور کیا گیا۔ حالانکہ معاہدہ کی رو سے ان پر یہ روپیہ دینے کی کوئی ذمہ داری نہیں تھی۔

(۴) ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی رو سے نظام نے ۶۳ لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی کا ملک (جو میسور کی دو لڑائیوں میں ان کے ہاتھ آیا تھا) کمپنی کو اس غرض سے دیا تھا کہ وہ ان کی امداد کے لئے فوج رکھے جس کا خرچ اس وقت ۲۴ لاکھ سالانہ تھا اس امدادی فوج کا ازروئے معاہدہ یہ فرض قرار دیا گیا تھا کہ

"اگر مستقبل میں شوراپور یا گدوال کے زمیندار یا ہزہائی نس کی حکومت کے دوسرے وابستگان توابع (Subjects or Dependants) سرکار کے جائز مطالبات کو جو ان پر ہوں ادا نہ کریں یا بغاوت کی آگ بھڑکائیں یا شورش پھیلائیں تو جمعیت تغلبندی (سب سیڈیری فورس) یا اس کا اتنا حصہ جو ضروری ہو جرم کی حقیقت پوری طرح تحقیق کرنے کے بعد ہزہائی نس کی اپنی افواج کی معیت میں ایسے تمام مجرموں کو اطاعت پر مجبور کرنے کے لئے جانے پر تیار رہو گی۔

اس دفعہ کی رو سے سرکار نظام اس امر کا پورا حق رکھتی تھی کہ اسکی رعایا میں سے جب کبھی کوئی سرکشی کرے تو وہ جمعیت تغلبندی کی خدمات کمپنی سے حاصل کرے لیکن کمپنی چونکہ اس فوج کا خرچ مع شے زائد نظام سے وصول کر چکی تھی اس لئے اس نے شورشوں اور سرکشیوں کو فرو کرنے کے لئے اس کی خدمات دینے سے ہمیشہ انکار کیا اور ان ہی فرائض کو۔ جو

جمعیت تغلبندی پر از روئے معاہدہ عاید ہوتے تھے کنٹجنٹ پر ڈالدیا کیوں کہ اس کے مصارف کا بار خود نظام کے خزانہ پر پڑتا تھا۔ ۳۵ سال کی مدت میں حیدرآباد کنٹیجنٹ نے نظام سرکار کی جتنی خدمات انجام دیں وہ سب کی سب ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی رو سے خود کمپنی کی جمعیت تغلبندی کو انجام دینی چاہیئے تھیں۔ اس لئے حکومت نظام سے ان کا معاوضہ وصول کرنا جبکہ معاوضہ پہلے ہی ۶۳ لاکھ کے ملک کی صورت میں دیا جا چکا تھا سراسر ناجائز تھا۔

(۵) جمعیت تغلبندی کے فرائض منصبی انجام دینے کے لئے خود نظام کے خرچ پر کنٹیجنٹ رکھ کر انگریزی حکومت نے یہ فائدہ اٹھایا کہ جمعیت تغلبندی کے مصارف میں بہت کمی ہو گئی صرف یہی نہیں کہ فوجی خدمات ادا کرنے میں جو خرچ ہوتا وہ بچ رہا، بلکہ حکومت نے فوج کی تعداد کو بھی اس سے کم کر دیا۔ جتنی از روئے معاہدہ اس کو رکھنی چاہیئے تھی خود کورٹ آف ڈائرکٹرز میں میجر مور نے جو بیان ۷ نومبر ۱۸۵۳ء کو دیا تھا اس میں وہ لکھتا ہے کہ

> "ہم نے اپنی امدادی فوج کی رجمنٹوں کی عددی قوت کو پیدل فوج میں ایک ہزار بندوق برداروں سے گھٹا کر ۷۰۰ کر دیا اور سوار فوج میں ۵۰۰ شمشیر زنوں سے کم کر کے ۴۲۰ کر دیا ہے[۱]۔ اور اس طرح گذشتہ

---

[۱] ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی رو سے طے ہوا تھا کہ ۸ ہزار سپاہیوں کی آٹھ پلٹنیں اور ایک ہزار سواروں کی دو رجمنٹیں رکھی جائیں گی مگر میجر مور کے بتائے ہوئے

۳۰ سال سے حیدر آباد کے علاقہ میں ہم نے جو فوج رکھی ہے وہ اس تعداد سے بقدر زاید از یک ربع کم ہے جس کے رکھنے کا ہم نے عہد کیا تھا اور جس کا خرچ بھی ہم پیشگی وصول کر چکے تھے۔ ہم نے اپنے عہد و پیمان میں یہ کوتاہی کس بناء پر کی؟ ہم کو اس فوج کا خرچ وصول کرنے کا کیا حق تھا جو در اصل ہم نے نہیں رکھی؟ اگر اوپر کے واقعات درست ہیں تو آیا ہم اس پر مجبور ہیں یا نہیں کہ ہم نے جو کچھ نظام سے وصول کیا ہے اور جس کا بدل ان کو نہیں دیا ہے اس کا حساب نظام کو دیں۔"[۵۱]

پس انصاف یہ چاہتا ہے کہ ۳۰ سال تک ۲۱۶۰ سپاہیوں کی کمی سے انگریزی حکومت جو روپیہ بچاتی رہی وہ نظام کو واپس دیتی۔ کم از کم اندازہ کے مطابق یہ رقم دو کروڑ روپیہ سے کم نہ تھی اور اس حساب سے ۱۸۵۳ء میں بجائے اس کے کہ کمپنی حضور نظام سے ۴۳ لاکھ روپیہ کے قرض کا مطالبہ کرتی حضور نظام کو اس قرض کی رقم وضع کر کے کمپنی سے ۱۵۷ لاکھ کا مطالبہ کرنا چاہئے تھا۔

(۶) ۱۸۱۲ء سے ۱۸۵۳ء تک کمپنی ناجائز طور پر جالنہ اور سکندر آباد میں حضور نظام کی رعایا سے آبکاری کے محاصل وصول کرتی رہی۔ ۱۸۵۰ء اور ۱۸۵۱ء

[۵۱] میموآئرز صفحہ ۳۶۱

(بقیہ حاشیہ صنہ۹۰) حساب کے مطابق کمپنی نے سپاہیوں کی تعداد ۸ ہزار سے گھٹا کر ۶ ہزار کر دی اور سواروں کی تعداد ایک ہزار سے گھٹا کر ۸۴۰ (دیکھو ایچی سن جلد ۹ صفحہ ۶۸ و ۶۹)

میں سرکار نظام نے اس پر اعتراض کیا اور اپریل ۱۸۵۲ء میں خود نواب ناصر الدولہ بہادر نے اس مد کی واپسی کا مطالبہ کیا لیکن اس کی طرف کوئی توجہ نہیں کیگئی اس مد کی آمد ایک لاکھ روپیہ سالانہ تھی اور ۴۱ سال سے وصول کیجارہی تھی اگر اس کا سود نہ لگایا جاتا تب بھی ۱۸۵۳ء میں کمپنی کے ذمہ سرکار نظام کا ۴۱ لاکھ روپیہ واجب الادا تھا۔

یہی امور ہیں جن کی بناء پر انگریزی رزیڈنٹ کرنل ڈیوڈسن نے اپنے ۱۲ر اکتوبر ۱۸۶۱ء کے مراسلہ میں صاف لکھدیا تھا کہ

"میری ہمیشہ یہ رائے رہی ہے کہ اگر دونوں حکومتوں کے مالی مطالبات کی غیر جانبداری کے ساتھ جانچ پڑتال کیجائے تو ہم ۴۳ لاکھ روپیہ (کلدار) کے موجودہ قرض کا کوئی جائز دعویٰ نظام پر نہیں کر سکتے۔ جس وقت ہز ہائی نس کے مدار المہام پر کنٹجنٹ کے بقایا کا تقاضا کیا گیا تھا اس نے ۱۹ر اگست ۱۸۵۱ء کو اپنے ایک نوٹ میں سکندرآباد اور جالنہ کی آبکاری کے محاصل میں سے فاضل باقیات کا مطالبہ کیا تھا۔ ہم اس آمدنی کو جو ایک لاکھ سالانہ تک پہونچتی ہے ۱۸۱۲ء سے ۱۸۵۳ء تک یعنی ۴۱ سال تک اپنے حساب میں وصول کرتے رہے حالانکہ یہ رقم بغیر کسی سود کے ہمارے مطلوبہ قرضہ میں سے ۴۱ لاکھ روپیہ نظام کے حساب میں جمع کردیتی۔۔۔

۔۔۔۔۔ مجھے یقین ہے کہ جو کچھ میں نے اوپر بیان کیا ہے اس سے یہ بات ظاہر ہونی چاہیے کہ ۱۸۵۳ء ہم نظام پر کوئی جائز مالی مطالبہ نہیں رکھتے تھے یا اگر رکھتے بھی تھے تو بہت کم۔"[1]

یہ ہے اس قرض کی حقیقت جس کے لئے نظام پر اس قدر سخت تقاضے کئے جارہے تھے جس کے لئے نظام کی "دیانتداری" معرض بحث میں لائی جارہی تھی اور جس کے لئے لارڈ ڈلہوزی انگریزی حکومت کے "حقوق" اور "مفاد" کی حفاظت کرنے پر اس قدر مستعدی کے ساتھ آمادگی ظاہر کر رہا تھا۔ بنئے مہاجن تو اپنے قرضداروں پر صرف اتنا ہی ظلم کرتے ہیں کہ اپنی بہی میں سود در سود لگا کر فرضی حساب بناتے چلے جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ ان کے بس میں کچھ نہیں ہوتا کیونکہ اپنا مطالبہ پورا کرانے کے لئے انہیں پہلے عدالت میں جانا پڑتا ہے پھر اسے قانوناً جائز ثابت کرکے ڈگری حاصل کرنی پڑتی ہے۔ پھر قرق امین کی خوشامد کرنی پڑتی ہیں لیکن بدقسمتی سے نظام کو جس قرض خواہ سے واسطہ پڑا تھا وہ بیک وقت مہاجن بھی تھا۔ منصف بھی تھا اور قرق امین بھی، اس نے پہلے خود ہی حساب بنایا، پھر اپنے ہی حق میں ڈگری بھی دے لی۔ اور اس کے بعد خود ہی قرقی کا وارنٹ بھی لے آیا، ایسے دائن کے مقابلہ میں بیچارے مدیوں کے لئے اپنی جائداد ضبط کرا دینے کے سوا اور کیا چارہ کار باقی رہ سکتا ہے

تفویض برار

آیئے اب ہم دیکھیں کہ یہ ضبطی جائداد کی کارروائی کس طرح عمل میں آئی مارچ ۱۸۵۳ء میں کرنل لو رزیڈنٹ بنا کر حیدرآباد بھیجا گیا ۲۰ اپریل کو

ل؎ میمو آئیرز صفحہ ۳۶۵

اسے نظام کے ساتھ ایک جدید معاہدہ کی گفت و شنید کے لئے خاص ہدایات وصول ہوئیں اور اس کے ساتھ مجوزہ معاہدہ کا مسودہ بھی پہنچا جس میں کنٹنجنٹ کی تنخواہوں کے لئے ۳۶ لاکھ روپئے سالانہ کا ملک دوامًا برٹش گورنمنٹ کو تفویض کرنے کی تجویز کی گئی تھی۔ کرنل لو نے یہ مسودہ سراج الملک کو دکھایا تو انہوں نے اپنے آقا کے حق نمک کو فراموش کر کے اور خود اپنے وطن کی عزت کو بھلا کر جواب دیا کہ "ریاست کے معاملات اس وقت اتنے بگڑے ہوئے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کو اپنے تئیں خوش قسمت سمجھنا چاہئے کہ انہیں ایسا معاہدہ کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ ایک بچہ بھی اگر وہ تعصب اور غلط صلاح کاروں کے اثر سے پاک ہو تو وہ دیکھ لے گا کہ مجوزہ معاہدہ کو قبول کرنے میں نظام اور ان کی حکومت کے لئے بڑی اور واضح منفعت ہے۔ اس کے بعد جب یہی مسودہ نواب ناصر الدولہ کے سامنے پیش کیا گیا تو اسے سنتے ہی انہوں نے فرمایا کہ "خدا نہ کرے مجھے یہ ذلت سہنی پڑے"[لے] اس کے بعد اعلیٰ حضرت مغفرت منزل نے ایک تقریر کی جس کے بعض بعض حصے کرنل لو نے اپنے ۴ مئی ۱۸۵۳ء کے مراسلہ میں نقل کئے ہیں اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں ان کے جذبات کیا تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ

"ہاں پہلے بھی تم مجھ سے کہہ چکے ہو کہ تم ایک نیا عہدنامہ تجویز کرنے والے ہو مگر تم نے کبھی مجھ سے یہ نہیں کہا کہ میرے سامنے اس قسم کا معاہدہ پیش کیا جانے والا ہے، تم نے مجھ سے کبھی نہیں کہا کہ تم مجھ سے

لے۔ دیکھو کرنل لو کا مراسلہ مورخہ ۳ مئی ۱۸۵۳ء نمبر (۷۰)

میری مملکت کا ایک بڑا حصہ ہمیشہ کے لئے چھوڑنے کی درخواست کرنا
چاہتے ہو۔ کیا میں نے کبھی انگریزی حکومت سے جنگ کی ہے؟۔
یا اس کے خلاف سازش کی ہے؟ یا اس کا ساتھ دیتے رہنے اور
اس کی خواہشات کی پیروی کرتے رہنے کے سوا کچھ اور کیا ہے
آج میری یہ تذلیل کی جا رہی ہے؟"

کرنل لو نے جواب دیا کہ اس معاہدہ میں آپ کی تذلیل کرنے والی
کوئی چیز نہیں ہے۔ اس پر مغفرت منزل نے فرمایا

"ایک بادشاہ کے لئے دو فعل ہمیشہ ذلت آمیز سمجھے جاتے ہیں ایک
اپنے آبائی ملک کا کوئی حصہ چھوڑ دینا اور دوسرے اپنی بہادر اور
کار آزمودہ فوج کو برطرف کر دینا۔ تم جیسے اصحاب کہ کبھی فرنگستان
میں ہوتے ہو تو کبھی ہندوستان میں، کبھی امور سلطنت میں حصہ
لیتے ہو تو کبھی سپاہی بن جاتے ہو، کبھی ملاحی کا پیشہ اختیار
کرتے ہو تو کبھی بازرگانی کا (میں نے سنا ہے کہ تمہارے گروہ
میں سے بعض بڑے آدمی سوداگر بھی رہے ہیں) تم اس معاملہ میں
میرے احساسات کو نہیں سمجھ سکتے۔ میں ایک خاندانی رئیس ہوں
اسی سلطنت میں جو سات پشت سے میرے خاندان میں چلی آرہی ہے
جینے اور مرنے کے لئے پیدا ہوا ہوں۔ تم سمجھتے ہو کہ میں اپنی اس
سلطنت کا ایک حصہ دوامًا تمہاری حکومت میں دے کر خوش
رہ سکتا ہوں؟ اس پر خوش ہونا بالکل ناممکن ہے۔ مجھے اس کو

اپنی ذلت سمجھنا چاہیئے۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارے گروہ کے کوئی صاحب یہ خیال رکھتے ہیں کہ اگر مجھے بھی غوث خاں (نواب ارکاٹ) کی حالت میں رکھا جائے تو میں خوش اور مطمئن رہوں گا یعنی مجھے کسی پرانے ملازم کی طرح ایک وظیفہ دے دیا جائے اور میں کھانے، سونے اور نماز پڑھنے کے سوا کسی کام سے واسطہ نہ رکھوں۔ مگر (یہاں اعلیٰحضرت نے ایک عربی کا مقولہ نقل کیا ہے) جسے کرنل لو نہیں سمجھ سکا) ..... خیر تم میرے شاہانہ احساسات کو نہیں سمجھ سکتے۔ تم کہتے ہو کہ یہ معاہدہ کرنے سے مجھے ۸ لاکھ روپیہ کی بچت ہو جائے گی اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر ۸ لاکھ سے چہار چند بھی بچت ہو تب بھی میں مطمئن نہ ہوں گا کیوں کہ میں اپنا ملک چھوڑ کر اپنی عزت کھو دوں گا" [۵۱]

اس کے بعد نواب مرحوم نے رزیڈنٹ کو رام کرنے کی کوشش کی اور اس سے کہا کہ اگر محض کنٹیجنٹ اور پچھلے قرض کی خاطر یہ ملک مانگا جا رہا ہے تو میں چار مہینے کے اندر اندر قرض ادا کر دوں گا اور آئندہ کے لئے ماہ بماہ تنخواہیں ادا کرنے کا انتظام ہو جائے گا۔ مگر وہاں ملک لینے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس لئے رزیڈنٹ نے اس وعدہ کو قبول

---

۵۱ حیدر آباد آفیرز جلد ۲ صفحہ ۵۹۹ - ۶۰۱

کرنے سے انکار کردیا۔ اس پر اعلحضرت نے کہا کہ :۔

"فرض کرو اگر میں یہ کہوں کہ کنٹیجنٹ ہی کو نہیں چاہتا تب تم کیا کروگے۔"

کرنل لو نے جواب دیا کہ ایسی صورت میں ہم کنٹیجنٹ کی برطرفی کو قبول کرلیں گے مگر اسے یکلخت برطرف نہیں کیا جائے گا بلکہ رفتہ رفتہ کیا جائے گا جس میں کئی سال لگیں گے اور اتنی مدت کے لئے پھر بھی ہم کو ان کی تنخواہوں کے لئے ان اضلاع کی ضرورت پڑے گی جو ہم مانگ رہے ہیں[لہ] اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ خواہ کنٹیجنٹ رہے یا نہ رہے دونوں حالتوں میں ملک نہ چھوڑا جائے گا۔ پھر اعلیٰحضرت نے یہ تجویز پیش کی کہ ملک برار شمس الامراء امیر کبیر کے سپرد کیا جائے اور وہ قرض اور کنٹیجنٹ کی تنخواہیں ادا کرنے کا انتظام کریں مگر رزیڈنٹ نے اس کے ساتھ یہ شرط لگائی کہ برار کا علاقہ رزیڈنٹ اور شمس الامراء دونوں کے انتظام میں دیا جائے یہ دوعملی کی صورت ناقابل قبول تھی[لہ]۔ اس کے بعد رزیڈنٹ نے ۱۴ ؍ مئی کو گفت و شنید کا سلسلہ بند کردیا اور مطالبہ کیا کہ "ہاں" یا "نہیں" کا آخری جواب دیدیا جائے۔ پھر ۱۹ ؍ مئی کو کرنل ڈیوڈسن (اسسٹنٹ

[لہ] حیدرآباد آفیرز جلد ۲ صفحہ ۲۰۷

[لہ] رشید الدین خانی ۴۶ ۷۔ کرنل لو نے بھی اپنے ۱۳ ؍ مئی ۱۸۵۳ء نمبر ۸ میں اس کا ذکر کیا ہے

رزیڈنٹ) نے سراج الملک کے نام ایک خط بھیجا جس کے الفاظ یہ تھے۔

"میرے عزیز نواب۔ مجھے یقین ہے کہ رزیڈنٹ آج شام کو آپ سے ملاقات کرنے کی خواہش کریں گے۔ تاکہ آپ کو اطلاع دیں کہ نظام سے انکی گفت وشنید اب ختم ہوتی ہے۔ اور آج کی ڈاک سے وہ گورنر جنرل سے درخواست کر رہے ہیں کہ وہ فوجوں کو حرکت دیں"

ہز ہائی نس نے چار مہینے کی مہلت مانگی تھی مگر اس مدت میں بھی یقینی طور پر فوجوں کی تنخواہیں ادا کرنے کی شرط نہیں کی تھی۔ اس لئے اسے نامنظور کیا گیا تاہم اگر وہ ایسا کرتے تب بھی اسے نامنظور کیا جاتا۔ کیوں کہ یہ گورنر جنرل کی ہدایات کے خلاف تھا۔

ہز ہائی نس نے پھر یہ تجویز پیش کی کہ۔ ۸ لاکھ کا ملک کنٹیجنٹ کی تنخواہوں کے لئے شمس الامراء کے ہاتھ میں دیدیں۔ اس پر رزیڈنٹ نے کہا کہ "نہیں" کیونکہ ان کو اس امر کا یقین نہیں دلایا جاسکتا کہ ہز ہائی نس کی حکومت، یا ان کے افسروں کی طرف سے اس میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔ لیکن اگر یہ تعلقے رزیڈنٹ اور شمس الامراء یا حیدرآباد کی حکومت کے کسی دوسرے افسر کو کمشنر بنا کر سپرد کر بھی دیئے جاتے (اس طرح کہ انہی کو ان اضلاع کا پورا انتظام اور اختیار دیدیا جاتا اور وہ صرف ہز ہائی نس کو سالانہ حساب دینے کے ذمہ دار ہوتے) تب بھی رزیڈنٹ صرف یہ

کرسکتے تھے کہ ان تجاویز کو کلکتہ بھیجدیتے ۔ باقی اسکی ذرہ برابر امید نہیں تھی کہ گورنر جنرل اس کو منظور کرلیں گے۔

"ہز ہائی نس نے مذکورہ بالا تجویز (یعنی شمس الامراء اور رزیڈنٹ کی دوعملی) کو بھی قبول نہیں کیا ہے اس لئے انہوں نے اس چیز سے نجات حاصل کرنے کا آخری موقع بھی کھودیا جوان کے احساس وقار تمکنت کے منافی تھی اب وہی تجاویز جو پہلے پیش کیگئی تھیں اور پھر پیش کی جاتی ہیں اور ایسے غیر دوستانہ جذبات کے ساتھ کی جاتی ہیں جو میری رائے میں معاملات کو انتہائی حدود تک پہنچادیں گے۔ فی الحقیقت میرے پاس پونا سے میرے بھتیجے کا خط آیا ہے جس میں اطلاع دی گئی ہے کہ ۸۷ بائی لنیڈرز اور ہز مجیسٹی کی رجمنٹ نمبر ۸۶ کو حیدرآباد پر چڑھائی کے لئے تیار رہنے کے احکام پہنچ گئے ہیں۔ یہ مت فرض کرلیجئے کہ فوجی کارروائی صرف اضلاع (برار) تک محدود رہے گی۔ اگر آپ ہز ہائی نس کے دوست ہیں تو ان سے التجا کیجئے کہ اپنی ذات اور اپنی عزت کو بچانے کے لئے گورنر جنرل یقیناً ان کو مجبور کردیں گے۔"[1]

کوتھ، ڈیوڈسن

---

[1] میمو آئیرز صفحہ ۱۴۴

یہ فوجی حملہ کی دھمکی کسی دشمن کو نہیں دی گئی تھی۔ بلکہ ایک دوست کو دی گئی تھی۔ اور دوست بھی وہ وفادار دوست جس نے ابتدائے قیام سلطنت برطانیہ سے آج تک کبھی اس سلطنت کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی جو ۱۷۵۹ء سے لیکر آجتک ہر موقع پر اس سلطنت کا ساتھ دیتا رہا اور جس نے ٹیپو سلطان اور مرہٹوں کے خلاف اس سلطنت کی مدد کر کے اس کی بنیادیں ہندوستان میں مضبوط کیں مگر اب وہ زمانہ نہیں رہا تھا جبکہ نظام الملک کی نگاہ لطف کے بغیر مدراس میں فرانسیسیوں سے جان بچانی مشکل تھی، نہ وہ زمانہ رہا تھا جبکہ حیدر علی اور ٹیپو سلطان کی تلوار سے بچنے کے لئے آصف جاہ کا سہارا ڈھونڈنے کی ضرورت تھی اور نہ وہ زمانہ باقی رہا تھا جبکہ مرہٹوں کی خطرناک طاقت کو مٹانے کے لئے یار وفادار کی مدد درکار تھی، اب وہ تمام نازک زمانے گذر چکے تھے اور انگریزی سلطنت اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ دوستوں کی دوستی اس کے لئے کچھ زیادہ قیمتی نہ رہی تھی اس لئے پرانا آئین وفاداری بدل گیا، مہر و محبت کی رسم کہن ختم ہو گئی اور دشمن کو دشمنی کی پاداش میں نہیں بلکہ دوست کو دوستی کے جرم میں وہ بدلہ دیا گیا جو شرفا دشمنوں کو بھی کم دیتے ہیں۔

نواب ناصر الدولہ حیدرآباد پر فوج کی چڑھائی کے معنی سمجھتے تھے۔ مقاومت بے سود تھی، عربوں، روہیلوں اور دوسری جنگجو قوموں کی بے قاعدہ فوج اگر لڑتی بھی تو کمپنی کی باقاعدہ فوج کے سامنے چند

گھنٹوں سے زیادہ نہ ٹھیر سکتی تھی۔ اس کے بعد پوری ریاست پر قبضہ کیا جاتا اور نظام الملک آصفجاہ کے خاندان کے ساتھ بھی خاکم بدہن وہی سلوک کیا جاتا جو اورنگ زیب عالمگیر کے خاندان کے ساتھ دہلی میں کیا گیا لہذا کرنل ڈیوڈسن کے خط کا جواب وہی ہو سکتا تھا جو دیا گیا۔ یعنی دوسرے ہی روز سر اج الملک نے رزیڈنٹ کو اطلاع دی کہ اعلیٰ حضرت معاہدہ کو منظور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ ۲۰ مئی ۱۸۵۳ء کو کرنل لو خوش خوش دربار میں حاضر ہوئے اور تفویض برار کے معاہدہ پر دستخط لیکر واپس گئے اس معاہدہ کے اہم نکات محتاج تشریح ہیں۔

(۱) واقعات سے ظاہر ہے کہ نظام اس دستاویز پر دستخط کرنے کیلئے بالکل راضی نہ تھے، انہوں نے آخر وقت تک اسے قبول کرنے سے انکار کیا اور صرف اس وقت اس کی توثیق کی جب انہیں یقین دلایا گیا کہ مزید انکار کی پاداش میں ان کی سلطنت اور ان کی جان تک کی خیر نہیں ہے۔ خود کرنل ڈیوڈسن جو اس وقت اسسٹنٹ رزیڈنٹ تھا اور بعد میں رزیڈنٹ کے عہدہ پر ممتاز ہوا اپنے ۲ اکتوبر ۱۸۶۰ء کے مراسلہ میں اعتراف کرتا ہے کہ "میں ان دھمکیوں اور دھمکیوں کا عینی شاہد ہوں جو سابق نظام کو گورنمنٹ کی تجاویز قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لئے دی گئی تھیں"[۱]۔ اس تخویف مجرمانہ کے ساتھ جو معاہدہ عمل میں آیا ہو

---

[۱] Hyderabad affairs. Vol. 11. P. 432.

اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی معاہدہ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک کھلا ہوا استحصال بالجبر تھا اور ساری کارروائی از اول تا آخر ناجائز تھی۔

(۲) امدادی فوج (سب سیڈیری فورس) کے متعلق ۱۷۹۸ء کے معاہدہ میں طے ہوا تھا کہ وہ ہز ہائی نس ان کے ورثاء اور ان کے جانشینوں کی ذات کی نسلاً بعد نسل حفاظت کرے گی۔ اور تمام باغیوں اور ان لوگوں کو جو اس ریاست کے ممالک محروسہ میں شورش پھیلائیں نگونسار کرے گی۔ مگر ذرا ذرا سی باتوں کے لئے ان کو استعمال نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ سبندی کے طور پر اس کو مالگذاری وصول کرنے کے لئے اقطاع ممالک میں متعین کیا جائے گا" (دفعہ ۵)

۱۸۰۰ء کے معاہدہ میں نواب آصفجاہ نے ۶۳ لاکھ کا ملک دیکر مذکورۂ بالا معاہدہ کی اس شرط کو منسوخ کرادیا "ذرا ذرا سی باتوں کیلئے استعمال نہیں کیا جائے گا اور اس کے بجائے دفعہ ۱۷ میں یہ طے کیا کہ جب کبھی نظام کی رعایا میں سے کوئی شخص سرکار نظام کے جائز مطالبات کو ادا کرنے سے انکار کرے گا، یا شورش و بدامنی پھیلائے گا تو اس کے خلاف امدادی فوج کو استعمال کیا جاسکے گا۔ لیکن ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی دفعہ ۲ میں امدادی فوج کے استعمال پر پھر وہی قید لگادی گئی جو ۱۷۹۸ء کے معاہدہ کی دفعہ ۵ میں ۶۳ لاکھ کا ملک لینے سے پہلے لگائی گئی تھی۔ دفعہ ۳ کی رو سے کنٹنجنٹ کے فرائض میں اس خدمت کو داخل کردیا گیا جو ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی رو سے امدادی فوج کے فرائض میں شامل تھی۔

یہ ایک کھلی ہوئی فریب کاری تھی۔

(۳) کنٹیجنٹ کا خرچ جب تک نظام کے خزانہ سے وصول کیا جاتا رہا اسکی عددی قوت میں ایک آدمی کی کمی بھی گوارا نہ کی گئی۔ مگر جب اس کے مصارف کے لئے ملک مل گیا تو معاہدہ ہی میں یہ بات طے کر لی گئی کہ کنٹیجنٹ کی تعداد ۹ ہزار کے بجائے ۷ ہزار رہے گی۔

(۴) ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی رو سے نظام کے ملک میں ان کی مدد کرنے کے لئے امدادی فوج ۹ ہزار کی تعداد میں رہنی چاہئے تھی۔ لیکن ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی دفعہ ۲ میں طے کیا گیا کہ اس فوج کی صرف ۳ پلٹنیں اور ایک رسالہ حدود ریاست میں رکھا جائے گا حالانکہ آٹھ پلٹنیں اور ۲ رسالے رکھنے کے لئے ۱۸۰۰ء میں ۶۳ لاکھ کا ملک لیا گیا تھا۔

(۵) کنٹیجنٹ کی تنخواہیں ادا کرنے اور ۵۰ لاکھ روپیہ (حالی) کا سود ۶ فیصدی کے حساب سے وصول کرنے کے لئے اس معاہدہ کی رو سے انگریزی حکومت نے صوبہ برار دوآبہ رائچور اور عثمان آباد (نلدرگ) دھاراشیو اور احمد نگر کی جانب چند سرحدی اضلاع اپنے قبضہ میں لے لئے جن کی مجموعی آمدنی اس وقت ۵۰ لاکھ سالانہ تھی۔ پہلے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ دوامی انتقال ملکیت کو نظام منظور کر لیں لیکن اسے نظام نے سختی کے ساتھ رد کر دیا۔ پھر دوسرا مطالبہ یہ کیا گیا کہ تفویض دوامی ہو۔ مگر نظام کے شاہی حقوق اضلاع مفوضہ پر برقرار رہیں گے۔ نظام نے اس کو بھی نامنظور کیا اس کے بعد

یہ چال چلی گئی کہ معاہدہ کے الفاظ کو مبہم رکھا گیا۔ نظام کو رزیڈنٹ کے ذریعہ یقین دلایا گیا کہ تفویض محض عارضی ہے اور وہ جب چاہیں "فک الرہن" کرا سکتے ہیں۔ اور دوسری طرف برٹش گورنمنٹ کو مطمئن کردیا گیا کہ تفویض دوامی ہے اور برار اب ہمیشہ کے لئے ہمارے قبضہ میں آگیا ہے۔ معاہدہ کی دفعہ ۶ میں صرف یہ الفاظ لکھے گئے تھے۔

The Nizam hereby agrees to assignthe Districts

mentioned

(نظام اس تحریر کی رو سے معینہ اضلاع کو تفویض کرنا قبول کرتے ہیں)

لیکن کرنل لو نے حضور نظام کو مطمئن کرنے کے لئے سرکاری طور پر (Formlly) انہیں یقین دلایا تھا جیسا کہ وہ خود اپنے ۴ مئی ۱۸۵۳ء کے مراسلہ میں لکھتا ہے کہ

"اگر ہز ہائی نس چاہتے ہیں تو یہ اضلاع صرف اس وقت تک کے لئے کنٹیجنٹ کے مصارف کے خاطر سپرد کئے جا سکتے ہیں جب تک ان کو کنٹیجنٹ کی ضرورت رہے"[1]

---

[1] میمو آئیرز صفحہ ۲۱۶

اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ جب نظام کو کنٹنجنٹ کی ضرورت نہ رہے تو وہ اسے موقوف کر کے اپنے اضلاع واپس لے سکتے ہیں۔ مگر یہی کرنل لو اپنے مذکورہ بالا اعلان کے صرف ڈیڑھ مہینہ بعد ۱۹ جون ۱۸۵۳ء کو گورنمنٹ آف انڈیا سے کہتا ہے کہ

"جہاں تک میں جانتا ہوں یہ اضلاع مستقل طور پر ہمارے ہاتھ میں رہنے کے لئے ہیں۔" [۵۱]

خود لارڈ ڈلہوزی نے اپنی ۳۰ مئی ۱۸۵۳ء کی یادداشت میں لکھا ہے کہ:-

"نظام نے اول سے آخر تک ایسا رویہ ظاہر کیا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ملک کی دوامی تفویض سے قطعی اور شدید انکار کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ یہاں تک اضلاع کو اس ضرورت سے ہمارے سپرد کرنے سے بھی انہوں نے کلیتہً نارضامندی کا اظہار کیا کہ شاہی حقوق انہیں کو حاصل رہیں۔"

لیکن یہی لارڈ ڈلہوزی فروری ۱۸۵۶ء میں کہتا ہے کہ

"ایک معاہدہ کی رو سے جو ۱۸۵۳ء میں کیا گیا، ہز ہائی نس نظام نے صوبہ برار اور اپنی ریاست کے دوسرے اضلاع کو آنریبل ایسٹ انڈیا کی کمپنی کی حکومت میں دائمی طور پر تفویض کر دیا تاکہ حیدرآباد کنٹنجنٹ مستقل طور پر رکھی جائے۔" [۵۲]

اس سے گورنر جنرل اور رزیڈنٹ دونوں کی بدنیتی ظاہر ہے۔

---

[۵۱] میمو آئیرز، ۱۴۷ [۵۲] میمو آئیرز صفحہ ۱۴۷

یہ تھا اس درخت کا پھل جسے ۵۰ سال پہلے بویا گیا تھا۔ پہلے یار وفادار سے کہا گیا کہ ہم دشمنوں سے تمہارے ملک کی حفاظت کریں گے۔ اور اس حفاظت کے معاوضہ میں ۶۳ لاکھ روپیہ سالانہ کا ملک لیا گیا جو یار وفادار کے کل مقبوضات کا تیسرا حصہ تھا۔ اس کے بعد خود اپنی اغراض کیلئے ایک فوج رکھی گئی اور اس کا خرچ دوست سے مانگا گیا۔ غریب دوست اس کے لئے بھی ۲۲ لاکھ روپیہ سالانہ دیتا رہا۔ مگر جب اس کا خزانہ بالکل خالی ہوگیا اور اس میں اتنا خرچ دینے کی استطاعت نہ رہی تو اپنی فوج پر خود اپنے خزانہ سے روپیہ خرچ کیا گیا، اور اسے دوست کے حساب میں قرض کے طور پر لکھا جاتا رہا۔ جہاں تک دوست کے امکان میں تھا اس نے اس قرض کو بھی ادا کرنے کی کوشش کی۔ مگر جب اس کے بدن میں ایک خون کا قطرہ بھی نہ رہا تو انہی دوستوں نے جو اس کے محافظ بنکر آئے تھے اس غریب کے گلے پر چھری رکھکر اسی ملک کا ایک دوسرا زرخیز حصہ اس سے چھین لیا جسکی حفاظت کے لئے وہ اس سے پہلے ایک بڑا حصہ لے چکے تھے۔ حفاظت کی تمام اقسام میں یہ سب سے زیادہ عجیب و غریب قسم ہے جس کی ایجاد پر جزیرہ انگلستان کے باشندے بجا فخر کر سکتے ہیں۔!

سنہ ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی رو سے انگریزی حکومت نے دولت آصفیہ کو اپنی حفاظت میں لیا تھا۔ سنہ ۱۸۰۳ء اور سنہ ۱۸۱۷ء کی لڑائیوں کے بعد جنوبی ہند میں کوئی طاقت ایسی نہ رہی تھی جس سے دولت آصفیہ کو کوئی خطرہ ہوتا۔ حدود ریاست کی چاروں طرف اسی سلطنت برطانیہ کے علاقے پھیلے

ہوئے تھے جو ریاست کی محافظ تھی اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہونا چاہئے تھا کہ ریاست کے حساب میں فوج کا خرچ سب سے کم ہوتا۔ لیکن دنیا یہ سنکر حیران ہوگی کہ انگریزوں کی محافظت میں آنے اور سب دشمنوں سے مطمئن ہوجانیکے بعد اس ریاست کا فوجی خرچ اتنا بڑھ گیا کہ اس وقت دنیا کی کسی سلطنت کا خرچ اتنا نہ تھا۔ سب سیڈیری فوج پر ۶۳ لاکھ کنٹنجنٹ پر ۴۲ لاکھ اور خود اپنی قومی فوج پر ۶۴ لاکھ یعنی کل ایک کروڑ ۶۹ لاکھ روپیہ سالانہ وہ حکومت خرچ کر رہی تھی۔ جس کی کل آمدنی ۲ کروڑ سے زیادہ نہ تھی۔ دوسرے الفاظ میں دس روپیہ کی آمدنی رکھنے والا شخص اپنے چوکیدار کو ۹ روپے دیتا تھا اور خود اپنا گذر صرف ایک روپیہ میں کرتا تھا۔

سنہ ۱۸۴۳ء جبکہ مغفرت منزل نواب ناصر الدولہ نے اس ریاست کا انتظام براہ راست اپنے ہاتھ میں لیا تھا تو ریاست کے مداخل و مخارج کی حالت یہ تھی۔[1]

آمدنی بوضع اخراجات نظم ونسق	۱۲۲۴۹۵۴۵ (کلدار)
خرچ خاندان شاہی و ملازمین بارگاہ	۲۸۰۱۰۲۷
" کنٹنجنٹ اور اپادیسائی کی چوتھ وغیرہ	۴۰۲۴۱۱۴
شاہی فوج	۶۴۱۳۸۵۲
منصب دار وغیرہ	۱۷۸۰۱۲۶

---

[1] حیدرآباد آفیرز جلد ۲ صفحہ ۹۱ و ۹۲

خرچ کل ۱۵۰۱۹۱۱۹

خسارہ ۲۷۳۹۵۷۴

ایسی خراب مالی حالت میں ریاست کو سنبھالنا انسانوں کا نہیں فرشتوں کا کام تھا۔ جس ریاست میں پیہم ۲۷ لاکھ کا سالانہ گھاٹا آرہا ہو اور باوجود اس کے اس پر ۳۸ لاکھ روپیہ سالانہ کا مستقل بار بھی ڈالدیا گیا ہو اس کا اس طرح مالی انتشار میں مبتلا ہوجانا بالکل ایک قدرتی بات تھی جیسا کہ کرنل ڈیوڈسن نے اپنے ایک مراسلہ میں لکھا ہے۔

"حقیقۃً تعجب اس پر نہیں کہ یہ ریاست ۱۸۵۳ء میں ۴۳ لاکھ کی "قرضدار" کیوں تھی۔ بلکہ اس پر ہے کہ ۵۰ سال تک اس بری طرح لٹنے اور تباہ ہونے کے باوجود وہ صرف ۴۳ لاکھ ہی کی قرض دار کیوں رہی۔ اس کا بالکل دیوالہ کیوں نہ نکل گیا۔

غدر میں نظام دکن کی وفاداری

تفویض برار کے عہدنامہ پر دستخط ہونے کے پانچ روز بعد سراج الملک کا انتقال ہو گیا کسی شاعر نے ان کا مادہ تاریخ اس طرح نکالا ہے۔

این بگرد آخر ش سراج الملک
جملہ ملک برار داد و برفت

ان کے بعد ان کے بھتیجے نواب سالار جنگ بہادر مدار المہام بنائے گئے اور راجہ نرندر بہادر (ابن راجہ دہراج بہادر ابن راجہ چندولال)

کو پیشکاری کا عہدہ دیا گیا۔ نواب ناصر الدولہ بہادر۔ غفران منزل عہدنامہ تفویض برار پر دستخط کرنے کے بعد چار سال سے زیادہ زندہ نہ رہ سکے اور اس کا رنج آخر ان کی جان ہی لیکر رہا۔ مئی ۱۸۵۷ء میں ان کا انتقال ہوا اور ان کی جگہ نواب افضل الدولہ مسند نشین ہوئے۔ جنہوں نے غفران منزل کے انتظامات کو بحال رکھا۔

یہی زمانہ تھا جبکہ ہندوستان میں وہ جنگ آزادی برپا ہوئی جو غلطی سے "غدر" کے نام سے مشہور ہو گئی ہے۔ اپنے ہاتھوں سب کھو چکنے کے بعد ہندوستانیوں کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب سب کچھ بگڑ چکا تھا۔ تاہم یہ آخری سنبھالا بھی اتنے زور کا تھا کہ ایک دفعہ انگریزی سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں اس وقت بمبئی کے گورنر نے حیدرآباد کے رزیڈنٹ کو تار دیا کہ:

If The Nizam goes all is lost.

(نظام گئے تو سب کچھ ہاتھ سے نکل جائے گا)

فرمانروائے دکن کی قوت اس گئی گذری حالت میں بھی اتنی زبردست تھی کہ اگر وہ انگریزی سلطنت کے دشمنوں میں شامل ہو جاتے تو یہ سستے داموں حاصل کی ہوئی سلطنت سستے داموں نکل جاتی اور اگر پھر واپس ملتی بھی تو بہت مہنگے داموں ملتی۔ ایک انگریز مصنف نے بالکل سچ لکھا ہے۔

"اگر نظام بگڑ بیٹھتے تو یہ کہنا مشکل ہے کہ کیا نتائج رونما ہوتے

ناگپور میں عین موقع پر جس سازش کا انکشاف ہوا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آس پاس کی ریاستیں بغاوت کے لیے کس قدر تیار بیٹھی تھیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ ٹریلکین کے مسلمان ملیبار فصل پر دست درازی کے لئے صرف حیدرآباد کی طرف سے اشارہ کے منتظر بیٹھے تھے مجھے جس کسی فوجی آدمی سے گفتگو کرنے کا اتفاق ہوا اس نے یہی کہا کہ اگر حیدرآباد اٹھ کھڑا ہوتا تو ہم کرنول، ناگپور بلاری، کڑپہ، بنگلور، مدراس، ترچناپلی اور دوسرے شہروں میں بغاوت سے نہ بچ سکتے اور یہ بھی مشکل تھا کہ بمبئی جو مدراس ہی کی طرح بے چین تھا۔ اس مرض متعدی کے اثر سے بچ رہتا"

لیکن ان تمام بیوفائیوں اور بدعہدیوں کے باوجود انگریزی حکومت نے نواب میر نظام علی خاں کے انتقال سے لیکر ۱۸۵۷ء تک کی تھیں۔ اور اس ظلم عظیم کے باوجود جو چار ہی سال پہلے برار کے استحصال بالجبر کی صورت میں کیا گیا تھا۔ نظام انگریزی حکومت کی وفاداری پر ثابت قدم رہے۔ ان کی رعایا میں قومی و مذہبی جوش پورے زور کے ساتھ بھڑک چکا تھا۔ حیدرآباد کے مسلمان جہاد کے لئے بے چین تھے۔ نظام اور ان کے مدارالمہام پر مذہب و قومیت کی خاطر ہر قسم کی ترغیبات کا زور ڈالا جارہا تھا۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اس نازک وقت میں یہ بات انگریزوں کی قدرت سے بالکل باہر تھی کہ نظام کو وفادار رہنے پر مجبور کرسکتے۔ لیکن نواب آصف جاہ نے

صرف یہی نہیں کہ اپنا وزن دشمنوں کے پلڑے میں ڈالنے سے احتراز
کیا بلکہ اس سے بڑھکر انہوں نے اپنی پوری قوت انگریزوں کی امداد
واعانت میں صرف کردی اور انہی کی مدد سے سلطنت برطانیہ
ہندوستان میں از سر نو مستحکم ہوئی۔

جس وقت غدر کی اطلاع حیدرآباد پہونچی تو تمام شہر میں ایک
ہیجان پیدا ہو گیا۔ ۱۴ رجون کو خفیہ طور پر ایک اشتہار شایع ہوا جس میں
مسلمانوں کو جنگ پر ابھارا گیا تھا۔ اس کے بعد مکہ مسجد میں ایک پرجوش
جلسہ ہوا اور سبز علم بلند کردیا گیا۔ قریب تھا کہ ہنگامہ برپا ہوجاتا مگر سالارجنگ
نے شہر میں عربی فوج کے پہرے لگوادیئے اور تمام جوشیلے مجامع کو
بزور منتشر کرادیا۔ تاہم غیظ و غضب کی آگ جو انگریزوں کے خلاف
بھڑک رہی تھی فرو نہ ہوئی اور آخر کار ۱۷ رجولائی کی صبح کو روہیلوں کی
ایک زبردست جماعت نے رزیڈنسی پر حملہ کرہی دیا جسے بڑی مشکل سے
روکا گیا اور حملہ آروں کے لیڈروں میں سے ایک (طرہ باز خاں
جمعدار) کو گولی ماردی گئی۔ اور دوسرے (مولوی علاؤالدین) کو
کالے پانی بھیج دیا گیا۔ اس وقت شہر میں تقریباً ۲۶ ہزار روہیلے
سکھ، سندھی، حبشی، اور ترک و مغل موجود تھے اور شہر کی ۳ لاکھ
آبادی کا بھی ایک بڑا حصہ مصلح تھا۔ خود سرکاری فوج کی ہمدردیاں
بھی ان لوگوں کے ساتھ تھیں جو انگریزوں کے اخراج کے لئے لڑنا
چاہتے تھے ایسی حالت میں نواب افضل الدولہ اور سالارجنگ کیلئے

انگریزوں کی وفاداری پر قائم رہنا اور ان کی مدد کرنا جس قدر مشکل تھا ظاہر ہے، مگر ان تمام نازک حالات کے باوجود انہوں نے ثابت قدمی کے ساتھ پہلے اپنی ریاست میں امن قائم کیا اور اس کے بعد اپنی فوج سے برٹش گورنمنٹ کی امداد کی جس کی بدولت وسط ہند میں انگریزی تسلط ازسرنو قائم ہوا۔ جھانسی، نیمچ، اور جھیدپور کے معرکے سر ہوئے اور ان زبردست طاقتوں کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع ہو گیا جو ہندوستان کو سپید خطرے سے نجات دلانے کیلئے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ لیکن اس ہنگامہ میں نظام کی صرف مادی امداد ہی انگریزوں کے کام نہیں آئی بلکہ اخلاقی امداد نے بھی ان کو بہت کچھ سہارا دیا اور یہ اخلاقی امداد ایسی تھی جس کا اثر صوبہ سرحد کے دور و دراز علاقوں تک پہنچا ہوا تھا۔ سرسڈنے کاٹن جو ۱۸۵۷ء میں پشاور کی فوج کا کمانڈر تھا اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ

"شمالی مغربی سرحد کے اعلیٰ طبقہ کے لوگوں نے متعدد مرتبہ مجھ کو یقین دلایا کہ کسی نہ کسی دن ہماری حکومت کے خلاف ایک عام بغاوت کھڑی ہو جائے گی۔ دہلی سے مغل اعظم کی نسل مٹ جانے کے بعد وہ نظام کو اپنا سردار اور اسلامی مقاصد کا سہارا سمجھتے ہیں۔"[ل۱]

ل۱ Nine years on the north west Frontier. P. 307.

حضور نظام کی ان عملی ہمدردیوں کے باوجود انگریز ان کو شک کی نگاہوں سے دیکھتے تھے۔ اور انہیں ہر وقت یہ بدگمانی تھی کہ یہ سب کچھ خلوص کے ساتھ نہیں کیا جا رہا ہے۔ لیکن آخر میں خود رزیڈنٹ کرنل ڈیوڈسن کو اعتراف کرنا پڑا کہ:۔

"میں نے ایسے گوشوں اور ایسے طریقوں سے جن پر مشکل سے کوئی شبہہ ہو سکتا تھا۔ نظام کی شدید نگرانی کی ہے اگرچہ پیغامبر ان کے پاس آتے تھے لیکن ان کی داستانیں سننے کے بعد وہ ہر ایسی تحریک میں شریک ہونے سے انکار کر دیتے تھے، جو برٹش گورنمنٹ کے خلاف ہوتی۔" [۱]

وفاداری کا صلہ

حضور نظام کی اس بیش قیمت امداد اور مخلصانہ وفاداری پر زبانی تعریف و توصیف کے پھول تو بہت برسائے گئے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ اسکی قدردانی کا عملی ثبوت کیا دیا گیا؟ اس کے لئے ہم کو غدر کے بعد دونوں سلطنتوں کے معاملات پر ایک نظر ڈالنی چاہئیے۔ جولائی ۱۸۶۰ء میں گورنمنٹ کی جانب سے حضور نظام کو ۱۰ ہزار پونڈ کے اور سالار جنگ بہادر کو ۳ ہزار پونڈ کے تحائف

---

[۱] Our faithful ally the Nizam. P. 291.

بھیجے گئے۔ مگر دستورِ قدیم کے مطابق اس کے جواب میں اعلیٰحضرت نے ۱۵ ہزار پونڈ کے تحائف گورنر جنرل کو بھیجے جو از روئے قاعدہ گورنمنٹ کے خزانہ میں داخل کر دیئے گئے۔ اس تجارت میں گورنمنٹ نے کھونے کے بجائے کچھ پا ہی لیا۔

غدر میں سرکار نظام کی فوج نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ اور سلطنت برطانیہ کی حفاظت میں جو جاں نثاری کی تھی اس پر از راہ خوشنودی یہ انعام فرمایا گیا کہ جنگ میں حصہ لینے والے سپاہیوں کے لئے پانچ پانچ روپیہ مہینہ کا زائد بھتہ مقرر کر دیا گیا۔ لیکن اس "فضول خرچی" کا بوجھ سرکار انگریزی کے خزانہ پر نہیں پڑا بلکہ خود سرکار نظام ہی کے خزانہ پڑا کیونکہ یہ زائد خرچ برار کی آمدنی سے وصول کیا گیا۔ اور اسے نظام کے حساب میں محسوب کر لیا گیا۔

اس کے بعد "اس گرانمایہ عزت واحترام" کے مزید اظہار کیلئے جو "ملکہ معظمہ" کے دل میں ہز ہائی نس کے لئے موجود تھی سنہ ۱۸۶۰ء کے آخر میں ایک عہد نامہ لکھا گیا جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ غدر کی خدمات کا "اجر" تھا۔ اس معاہدہ میں "یار وفادار" پر جو انعام فرمائے گئے ان کی حقیقت ذرا تشریح کی محتاج ہے۔

(۱) دفعہ دوم کی رو سے برٹش گورنمنٹ نے شورا پور کا علاقہ نظام کے کامل شاہی اختیارات میں دیدیا۔ اس علاقہ کی آمدنی ۳ لاکھ

۲۰ ہزار روپیہ سالانہ تھی۔ پہلے یہ علاقہ خود سرکار نظام کا تھا۔ ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی دفعہ ۱۷ میں بتصریح گدوال کے ساتھ شوراپور کے زمیندار کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور عہد کیا گیا ہے کہ اگر وہ سرکار نظام کے جائز مطالبات کو ادا کرنے میں قاصر رہے گا۔ یا بد امنی پھیلائے گا تو اس کے خلاف جمعیت تعلبندی (سبسیڈیری فورس) کو استعمال کیا جا سکے گا۔[1] ۱۸۴۲ء میں سرکار نظام کو اس سے شکایت ہوئی کہ چند سال سے نہ اس نے پیش کش حاضر کیا اور نہ نذرانہ، معاہدہ کے مطابق رزیڈنٹ سے استمداد کی گئی تو اس نے کپتان میڈوز ٹیلر کو تحقیقات کے لئے بھیجا اور آخر میں مطالبات کی تدریجی تحصیل کے لئے دونوں سرکاروں کے اتفاق سے اس کو "اسپیشل ایجنٹ" مقرر کیا گیا۔ چند سال اس طرح گذرے تھے کہ شوراپور کے نوجوان راجہ نے سرکار نظام کے خلاف بغاوت کر دی اور اس کی سرکوبی کے لئے جمعیت تعلبندی کی بجائے (جس کا معاہدہ میں وعدہ کیا گیا تھا) کنٹنجنٹ فورس کو بھیجا گیا۔ از روئے عقل اور از روئے قانون یہ لازم تھا کہ اس راجہ کو از سر نو اسی حکومت کا مطیع بنایا جاتا جس کا وہ پہلے باجگذار تھا لیکن کیا یہ گیا کہ نظام کی فوج سے نظام ہی کی رعیت کے ایک باغی سردار کی سرکوبی کی گئی۔ اور پھر نظام کے بجائے

---

[1] ایچیسن جلد ۹ صفحہ ۲۷

اس کا علاقہ انگریزی مقبوضات میں شامل کر لیا گیا۔[۵۱]

یہی وہ صریح ظلم تھا جس کی تلافی ۱۸۶۰ء کے معاہدہ میں کی گئی اور یہ ایسی چیز تھی جس کو مشکل ہی سے صلہ و انعام کہا جا سکتا ہے،

(۲) کنٹیجنٹ کے سلسلہ میں حضور نظام کے ذمہ جو ۵۰ لاکھ روپیہ (حالی) کا قرض "واجب الادا" تھا اس کو دفعہ سوم کی رو سے برٹش گورنمنٹ نے معاف کر دیا۔

اول تو یہ قرض فی الواقع کوئی قرض نہیں تھا۔ گذشتہ صفحات میں اس کی جو حقیقت بیان کی جا چکی ہے، اسے پڑھنے کے بعد کوئی شخص نہ اُسے قرض سمجھ سکتا ہے اور نہ اس کی معافی کو کسی انعام سے تعبیر کر سکتا ہے۔ تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ "قرض" ہی تھا۔ تب بھی جس صورت میں اسے معاف کیا گیا ہے وہ ایسی ہے کہ انگریزی حکومت بجائے نقصان کے فائدہ ہی میں رہی ہے۔ ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی دفعہ (۸) میں یہ طے ہوا تھا کہ رزیڈنٹ نظام کے تفویض کردہ علاقوں کی آمدنی اور خرچ کا صحیح اور ٹھیک ٹھیک حساب سرکار نظام کے سامنے برابر پیش کرتا رہے گا اور دفعہ ۶ کے مطابق تمام اخراجات وضع کر کے جو کچھ بچے گا۔ وہ سرکار نظام کے خزانہ

---

[۵۱] حیدرآباد آفیرز جلد ۲ صفحہ ۱۸۱

میں داخل کر دے گا[۱] اس میں شک نہیں کہ معاہدہ میں یہ تصریح نہیں کیگئی تھی کہ علاقہ مفوضہ کے نظم ونسق کے مصارف کیا ہونگے لیکن کرنل لو نے سرکار نظام کو یقین دلایا تھا کہ ۲ ر فی روپیہ یعنی کل آمدنی کے ۱/۸ سے زیادہ خرچ نہیں کیا جائے گا۔ کرنل ڈیوڈسن اپنے ۶ رجولائی ۱۸۵۹ء کے مراسلہ میں صاف لکھتا ہے کہ :۔

"مگر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جنرل لوسی لے نے سابق وزیر سراج الملک اور موجودہ وزیر سالار جنگ کو یہ سمجھنے کا موقع دیا تھا کہ ہمارے انتظام کا خرچ ۲ ر فی روپیہ یعنی کل آمدنی کے ۱۲ ۱/۲ فی صدی سے زیادہ نہ ہوگا۔[۲]

خود گورنر جنرل لارڈ کیننگ اپنے ۷ رجولائی ۱۸۶۰ء کے مراسلہ میں تسلیم کرتا ہے۔

"جب معاہدہ پر دستخط کئے گئے تھے تو نظام کو یہ توقع تھی کہ ان زیر اضلاع کے انتظام کا خرچ ۲ ر فی روپیہ یعنی ۱۲ ۱/۲ فی صدی سے زیادہ نہ ہوگا۔[۳]

لیکن ان تصریحات کے باوجود علاقہ مفوضہ کی ۴۵ لاکھ سالانہ

---

[۱] ایچیسن جلد ۹ صفحہ ۹۶

[۲] حیدر آباد آفیرز جلد ۲ صفحہ ۱۰۴

[۳] حیدر آباد آفیرز جلد ۲ صفحہ ۱۴۴

آمدنی میں سے تقریباً ۱۰ لاکھ روپیہ سالانہ نظم و نسق پر خرچ کیا گیا جو ۶ آنہ اور ۷ آنہ فی روپیہ کے قریب تھا اور دوسرے اخراجات ملا کر اضلاع مفوضہ کی ساری آمدنی انگریزی حکومت نے خود ہی خرچ کر ڈالی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۳ء سے ۱۸۶۰ء تک بچت کی ایک پائی بھی سرکار نظام کے خزانہ میں داخل نہ کی گئی۔ خود گورنر جنرل اور رزیڈنٹ کو اپنی اس فضول خرچی کا اعتراف تھا، کرنل ڈیوڈسن اپنے ۶ جولائی ۱۸۵۹ء کے مراسلہ میں لکھتا ہے کہ:-

"میں یہ توقع کرتا ہوں کہ عملہ کے اخراجات کی بھاری رقم اور ہمارے انتظام کی فضول خرچی پر وزیر (یعنی حیدرآباد کا مدار المہام) اعتراض کرے گا۔" لہ

اسی اعتراض کے خوف سے سات سال تک اضلاع مفوضہ کے حسابات سرکار نظام کو نہیں دیئے گئے اور باوجود بار بار مطالبہ کرنے کے معاہدانہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے پہلو تہی کی جاتی رہی جس کے متعلق لارڈ کیننگ کو اپنے ۷ جولائی ۱۸۶۰ء کے نوٹ میں اعتراف کرنا پڑا کہ :-

"ازروئے معاہدہ ہم ان حسابات کو سال کے سال پیش کرنے پر مجبور تھے یہ کوئی قابل تعریف بات نہیں ہے کہ ایسا نہیں کیا گیا۔"

لہ حیدرآباد آفیر صفحہ ۱۰۰

اور لارڈ لارنس کو بھی ۱۳ر فروری ۱۸۶۷ء کے ایک مراسلہ میں تسلیم کرنا پڑا کہ :-

"سالانہ حسابات پیش کرنے میں کوتاہی کرنا ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی دفعہ (۸) کے صریح الفاظ سے انحراف تھا" [۵۱]

اس خلاف ورزی معاہدہ سے برٹش گورنمنٹ سات سال تک جو ناجائز فائدہ اٹھاتی رہی اور سرکار نظام کو اس کے تفویض کردہ علاقہ کے اس منافع میں سے ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی دفعہ (۸) کی روسے اس کو ملنا چاہئے تھا۔ محروم کر کے جو ظلم کرتی رہی اس کی تلافی کے لئے اس نے ۱۸۶۰ء میں یہ تجویز پیش کی کہ اگر سرکار نظام برٹش گورنمنٹ سے مفوضہ اضلاع کا پچھلا حساب نہ مانگے تو اس کے عوض وہ اس ۵۰ لاکھ روپیہ (حالی) کی رقم کو معاف کر دیگی۔ جو قرض کے طور پر سرکار نظام کے ذمہ واجب الادا ہے۔ ۷ر جولائی ۱۸۶۰ء کے مراسلہ میں زیر بحث معاہدہ کی شرائط تجویز کرتے ہوئے گورنمنٹ آف انڈیا کے سکرٹری نے کرنل ڈیوڈسن رزیڈنٹ کو لکھا تھا کہ :-

"گورنر جنرل اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ گذشتہ سالوں میں جو زائد سول اخراجات ہوئے ہیں ان کو نظام کی طرف سے ۵۰ لاکھ روپیہ حالی کے قرض کی ادائیگی کے طور پر تسلیم کر لیں۔" [۵۲]

---

[۵۱] میمو آئیرز صفحہ ۴۲۱ و ۴۲۲

[۵۲] حیدرآباد آفیرز صفحہ ۴۱۴ — ۴۱۵

اور یہی نہیں بلکہ اس پچاس لاکھ کے قرض کی معافی کے معاوضہ میں گورنمنٹ نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ آئندہ کے لئے بھی سرکار نظام اضلاع مفوضہ کے حسابات کا مطالبہ نہ کرے اور مصارف کی کمی و زیادتی کو برٹش گورنمنٹ کے اپنے اختیار تمیزی پر چھوڑ دے، چنانچہ ۱۸۶۰ء کے معاہدہ کی دفعہ (۴) میں بتصریح یہ طے کر لیا گیا کہ ہز ہائی نس نظام کی حکومت اضلاع مفوضہ کے سابق، حال اور آئندہ کے حسابات کا مطالبہ ترک کر دیگی اور اگرچہ برٹش گورنمنٹ پر لازم ہوگا کہ اضلاع مفوضہ کی آمدنی میں سے مقررہ مصارف وضع کر کے بچت کی رقم سرکار نظام کے خزانہ میں داخل کرے۔ لیکن مصارف کے تعین کا اختیار کلیتہً برٹش گورنمنٹ کو ہوگا۔[۵۱]

اس شرط سے برٹش گورنمنٹ نے جو فائدہ اٹھایا اس کا حال آگے آتا ہے اسے پڑھکر ہر شخص معلوم کرے گا کہ ۵۰ لاکھ کے قرض کی معافی کے بدلے میں اس نے ۳۲ سال کے عرصہ میں اس سے دہ چند فائدہ اٹھالیا بس اسکو بھی کوئی ذی ہوش "انعام" سے تعبیر نہیں کر سکتا۔

(۳) دفعہ ۵ کی رو سے برٹش گورنمنٹ نے اضلاع مفوضہ میں سے دوآبہ رائچور اور وہ اضلاع جو کلکڑی احمد نگر اور شولاپور سے متصل واقع ہیں، سرکار نظام کو واپس کر دے اول تو یہ وہی اضلاع تھے جو ۱۸۵۳ء میں بزدستی سرکار نظام سے چھین لئے گئے تھے۔ دوسرے خود گورنر جنرل کے

---

۵۱ Aitchison. P. 105.

اعتراف کے مطابق کنٹیجنٹ کی تنخواہوں کے لئے جتنے علاقہ کی ضرورت تھی اس کے لئے برار پائین گھاٹ اور بالا گھاٹ بالکل کافی تھے اور یہ علاقے قطعاً زائد از ضرورت لئے گئے تھے۔[۱] اس لئے ان علاقوں کو کنٹیجنٹ کی تنخواہوں کے نام سے اپنے قبضہ میں رکھنے کا گورنمنٹ کو کوئی حق نہ تھا اور انہیں واپس کرنے پر وہ مجبور تھی لیکن اس اخلاقی و قانونی فرض کو بھی اس نے بلامعاوضہ انجام دیا۔ اس نے اس کے بدلے میں متعدد قسم کے فائدے اٹھائے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

دفعہ ہفتم کی رو سے برار کے وہ تعلقے حاصل کئے جو صرفخاص کے علاقہ میں تھے اور جن کی آمدنی ۸۵۰۵۵۶ روپیہ سالانہ تھی۔

دفعہ ہشتم کی رو سے سرکار نظام کے وہ مقبوضات حاصل کر لئے جو دریائے گوداوری اور پائین گنگا کے دوسری جانب تھے ان اضلاع کی آمدنی ۱۶۵۷۷۵ روپیہ سالانہ تھی اور ان کے جنگلات کی لکڑی کی قیمت بھی ۵۰ لاکھ روپیہ سے کم نہ تھی۔[۲] علاوہ ازیں اس علاقہ کے حاصل کرنے سے انگریزی حکومت کو فوجی فوائد بھی حاصل ہوئے جنکو کیپٹن ہیگ .... ڈسٹرکٹ انجینیر نے اپنے ۳۰ اگسٹ ۱۸۶۰ء کے مراسلہ میں بیان کیا ہے۔[۳] اس علاقہ کو حاصل کرنے کے لئے برٹش گورنمنٹ اسقدر بے چین تھی کہ سرکار نظام کو

۱؎ دیکھو گورنمنٹ آف انڈیا کے سکریٹری کا مراسلہ مورخہ ۱۳ جولائی ۱۸۶۰ء نمبر ۲۵۱۸ صیغہ خارجہ

۲؎ ۔ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۳ اپریل ۱۸۶۶ء

۳؎ حیدرآباد آفیرز جلد ۲ صفحہ ۴۲۹

صاف طور پر لکھدیا گیا تھا کہ:-

"برٹش گورنمنٹ ہز ہائی نس نظام کو گوداوری کے تعلقوں کی تفویض سے پھر جانے کی ہرگز اجازت نہ دیگی۔ اور اگر وہ ایسا کرنے کی کوشش کرینگے تو اس سے دونوں حکومتوں کے درمیان غیر دوستانہ اور غصہ و ناراضی کے جذبات پیدا ہو جائیں گے۔ [۵۱]

یہ فوائد اٹھانے کے بعد اگر برٹش گورنمنٹ نے سرکار نظام کو خود اس کا زبردستی چھینا ہوا ملک واپس کر دیا تو اس کو مشکل ہی سے "انعام" کہا جا سکتا ہے۔ انگریزی حکومت نے نواب افضل الدولہ بہادر پر یہ اثر جمانے کی کوشش تو ضرور کی تھی کہ یہ سب کچھ ان کی بیش قیمت خدمات کے صلہ میں انعام کے طور پر دیا جا رہا ہے لیکن کرنل ڈیوڈسن سے گفتگو میں انہوں نے صاف طور پر اس خیال کا اظہار کر دیا کہ جو کچھ ان کا تھا وہی انکو دیا جا رہا ہے [۵۲]۔ خود انصاف پسند انگریزوں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ ۱۸۶۰ء کے معاہدہ میں انگریزی حکومت نے نظام کو جتنا فائدہ پہنچایا اس سے زیادہ خود حاصل کر لیا۔ چنانچہ ۳۰ اپریل ۱۸۶۱ء کے ایک لیڈنگ آرٹیکل میں ٹائمز آف انڈیا نے صاف لکھا تھا کہ

"معاہدہ کی گفت و شنید میں ہم نے بہت سے فوائد حاصل کر لئے اس معاملہ سے جو لوگ بہتر واقفیت رکھتے ہیں ان کا قول ہے کہ ۱۸۶۰ء کے ضمنی معاہدہ میں منافع و فوائد کے ترازو کا پلڑا ہماری طرف زیادہ جھکا ہوا تھا۔"

---

[۵۱] حیدرآباد آفیرز جلد ۲ صفحہ ۲۶۰

[۵۲] " " صفحہ ۲۰۴

سر سالار جنگ کا مطالبہ استرداد برار

سر سالار جنگ مرحوم جو معاہدۂ تفویض برار کے ایک ہی ہفتہ بعد اپنے چچا سراج الملک کی جگہ مدار المہام بنائے گئے تھے۔ اپنے خاندان کی پیشانی پر اس کو بڑا داغ سمجھتے تھے کہ اس کے ایک فرد کی وزارت میں ملک برار دولت آصفیہ کے قبضہ سے نکلا ہے ایک مرتبہ انہوں نے خود انگریزی رزیڈنٹ کرنل لومسڈن (Lumsden) سے کہا تھا کہ

"ان اضلاع کی تفویض کا واقعہ میرے چچا کی زندگی کے آخری لمحوں میں پیش آنے سے والئ ملک اور اہل ملک کی نظروں میں میرے خاندان کی رسوائی ہوئی ہے۔ اعلیحضرت مغفرت مکاں نے بارہا مجھ سے فرمایا تھا کہ ان اضلاع کی واپسی کے لئے اپنا سارا زور صرف کرد و اور میں نے اُن سے وعدہ کیا تھا کہ اپنے خاندان پر سے اس داغ کو دور کرنے میں کوتاہی نہ کروں گا"[1]

یہی خیال تھا جس کی بناء پر ۱۸۵۳ء سے ۱۸۶۰ء تک سات سال کی مدت میں انہوں نے کم از کم چھ مرتبہ واپسی برار کی درخواست کی[2]۔ مگر یہ درخواست چونکہ محض درخواست تھی۔ اس میں مطالبہ کا زور نہ تھا اس لئے اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی۔ اور ۱۸۶۰ء میں مفوضہ علاقہ کا کچھ واپس کر کے انکی اشک شوئی

---

[1] حیدرآباد آفیرز جلد ۲ صفحہ ۳۵۶

[2] " " " ۳۸۰

کردی گئی۔ لیکن سالار جنگ اس سے مطمئن ہونے والے نہ تھے وہ اس مطالبہ کے لئے ایک اچھے موقع کے منتظر تھے اور وہ موقع میسور کے واقعات نے ان کو بہم پہونچا دیا۔

۱۷۹۹ء کی جنگ میسور میں جب ٹیپو سلطان کی پوری مملکت فتح ہوگئی تو ازروئے معاہدہ یہ ضروری تھا کہ ملک کو انگریزی حکومت اور سرکار نظام کے درمیان برابر برابر تقسیم کردیا جاتا۔ لیکن ایچی سن .... کے بقول انگریزی حکومت نے اس خیال سے کہ نظام کی طاقت حد سے زیادہ نہ بڑھ جائے میسور کے اس پرانے شاہی خاندان کو جسے حیدر علی نے بیدخل کردیا تھا ڈھونڈ کر نکالا اور ۷۶،۸۰،۳۷ ہن کا ملک دیکر تین برس کے ایک بچے کو اس کا راجہ بنادیا[۱]۔ چونکہ یہ ریاست محض نظام کے توڑ پر قائم کی گئی تھی اس لئے انگریزی حکومت کی سیاست کا میلان اسی طرف رہا کہ جب کوئی بہانہ ملے تو اسے مٹا کر سارا ملک انگریزی مقبوضات سے ملحق کرلیا جائے۔ چنانچہ ۱۸۳۱ء میں مہاراجہ کی فضول خرچی کے بہانہ سے اس میں مداخلت کی گئی اور ۱۸۳۴ء میں ساری ریاست انگریزی انتظام میں لے لی گئی۔ ۱۸۶۱ء میں مہاراجہ میسور نے اپنے ملک کی بحالی کا مطالبہ کیا مگر اسے رد کردیا گیا۔ ۱۸۶۲ء میں اس نے پھر مطالبہ کیا اور اسے پھر جواب ملا کہ مہاراجہ نہ کسی حق کے طور پر ریاست کی بحالی کا مطالبہ کرسکتے ہیں اور نہ اسے بحال کرنا باشندگان ریاست کے مفاد کے لئے مفید ہوسکتا ہے ۱۸۶۴ء میں مہاراجہ نے ایک لڑکے کو متبنیٰ

---

[۱] ایچی سن جلد ۹ صفحہ ۱۸۲ — ۱۸۳

بنانے کی اجازت مانگی تو اسے بھی رد کر دیا گیا اور ۱۸۶۵ء میں جب مہاراجہ نے ایک لڑکے کو گود لے لیا تو برٹش گورنمنٹ نے اس کارروائی کو جائز تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

گورنمنٹ کے اس رویہ سے صاف معلوم ہو گیا تھا کہ اس نے ملک کو ملحق کر لینے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے اس لئے سالار جنگ نے اس موقع کو اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کرنے کے لئے موزوں خیال کیا اور ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۶ء سر جارج یول (رزیڈنٹ) کے نام ایک خط لکھا جس کے اہم نکات حسب ذیل تھے۔

(۱) ۱۸۶۰ء کے معاہدہ کی رو سے برٹش گورنمنٹ نے وعدہ کیا تھا کہ برار کی آمدنی میں سے جو کچھ مدد ہو گی اسے سرکار نظام کے حوالے کر دے گی لیکن معاہدہ کی تکمیل کو چھ سال گذرنے کے باوجود اس سرکار کو ایک پیسہ بھی بچت کا نہیں ملا اور نہ آیندہ ملنے کی امید ہے کیونکہ برار کی ۵۰ لاکھ آمدنی میں سے ۲۳ لاکھ روپیہ صرف نظم ونسق میں خرچ کر دیا جاتا ہے۔ سرکار نظام اس وقت روپے کی سخت ضرورت مند ہے اور وہ اس کا حق رکھتی ہے کہ کنٹنجنٹ کی تنخواہوں کا دوسرا اطمینان بخش انتظام کر کے اپنے ان اضلاع کو واپس لے لے۔

(۲) برٹش گورنمنٹ نے میسور کے علاقہ کو ملحق کر لینے کا ارادہ ظاہر کر دیا ہے اس لئے سرکار نظام کو اس علاقہ میں سے اسی طرح حصہ لینا چاہئے جس طرح ۱۷۹۹ء کے معاہدۂ تقسیم میسور میں ملا تھا اگر برٹش گورنمنٹ میسور کی نئی ریاست قائم نہ کرتی تو بلا شک و ریب یہ ملک سرکار نظام اور سرکار انگریزی کے درمیان تقسیم ہوتا جس طرح اسوقت اس ریاست کا قیام سرکار نظام کی موافقت سے

ہوا تھا۔ اسی طرح اب اس کا سقوط بھی اگر ہو تو سرکار نظام کی موافقت سے ہونا چاہئے۔

(۳) ۱۸۰۰ء کے خفیہ معاہدہ کی دفعہ ۳ میں طے ہوا تھا کہ آئندہ جو علاقے دونوں حکومتوں کی متحدہ افواج کی قوت سے فتح ہوں گے وہ دونوں حکومتوں کے درمیان برابر تقسیم کئے جائیں گے۔ چنانچہ اسی دفعہ کے ماتحت ۱۸۰۴ء اور ۱۸۲۱ء میں سرکار نظام کو پیشوا اور سندھیا کے مفتوحہ علاقوں میں سے حصہ دیا گیا تھا اور اب اسی معاہدہ کے مطابق کرنول اور گومسور کے علاقوں میں سے سرکار نظام کو کم از کم ۱۵۰۰۰۰ روپیہ سالانہ کا حصہ ملنا چاہئے کیونکہ ان علاقوں کی فتح میں اس سرکار کی فوج شامل تھی۔

(۴) ۱۸۰۰ء کے معاہدہ کی رو سے کرنول کا صرف پیش کش تفویض کیا گیا تھا نہ کہ اصل علاقہ از روئے آئین ملک بدستور سرکار نظام کی ملک رہا اور اسکے حق ملکیت کو اس سرکار نے کبھی تفویض نہیں کیا اس لئے اسکی آمدنی (بہ پیشکش کو وضع کرکے) اس سرکار کا حق ہے۔

ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے سرکار نظام کے حقوق حسب ذیل ہیں۔

کرنول کی مالگذاری بوضع پیش کش	۱۷۰۰۰۰۰
گومسور کی مالگزاری میں سرکار نظام کا حصہ	۱۵۰۰۰۰
میسور کی ۶۳ لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی کا نصف	۳۱۵۰۰۰۰
جملہ	۶۰۰۰۰۰۰

چونکہ ابھی ریاست میسور کے انقراض کا مسئلہ طے نہیں ہوا ہے۔ اس لئے فی الحال اسے چھوڑ کر اول الذکر دو علاقوں کا ۱۸۵۰۰۰۰ روپیہ سالانہ کنٹینجنٹ

کے مصارف کے لئے قبول کیا جائے اور بقیہ ۸۵۰۰۰۰ روپیہ کے لئے ملک میسور کا تصفیہ ہونے تک ہم قابل اطمینان ضمانت فراہم کردیں گے اس انتظام کے بعد ملک برار سرکار نظام کو واپس دیدیا جائے۔[۵۱]

اس مراسلہ کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ برار کی آمدنی میں سے تقریباً ۱۰ لاکھ روپیہ سال کے ختم ہونے سے پہلے سرکار نظام کو دینے کے احکام جاری ہو گئے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۶۷ء میں مہاراجہ میسور کے گود لئے ہوئے لڑکے کو ان کا وارث تسلیم کرلیا گیا اور مہاراجہ کے مرنے کے بعد ۲۳ دسمبر ۱۸۶۸ء کو اس لڑکے کی گدی نشینی کی رسم بھی ادا کر دی گئی۔

دوسری طرف سر سالار جنگ کے اس خلاف توقع مطالبہ سے برطانی حلقوں میں اضطراب کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ ۲۴ نومبر ۱۸۶۶ء کو رزیڈنٹ نے ایک طویل نوٹ کے ساتھ سالار جنگ کا خط گورنمنٹ آف انڈیا کے پاس بھیجا، اور اس میں بڑی کاوش سے ان کے دلائل کی تردید کی اس کے جواب میں ۱۳ فروری ۱۸۶۷ء کو گورنمنٹ آف انڈیا کے سکرٹری مسٹر واٹلی.... .... نے حیدرآباد کے رزیڈنٹ کے نام ایک طویل مراسلہ لکھا جس کے ابتدائی فقروں میں یہ فقرہ خصوصیت کے ساتھ ان جذبات غیظ و غضب کو ظاہر کرتا ہے جو مال مغصوبہ کی بازطلبی پر غاصبوں کی جماعت میں ہمیشہ پیدا ہو جایا کرتا ہے اس میں لکھا تھا کہ

"وائسرائے یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ حکومت حیدرآباد کے موجودہ دعاوی

---

۵۱ حیدرآباد آفیرز جلد ۲ صفحہ ۶۲۵ – ۶۵۲

صحیح اور مبنی بر انصاف ہیں۔ کونسل میں ان پر اسی قدر گہرا اور متفکرانہ غور و خوض کیا گیا جس قدر مسئلہ کی اہمیت اور اس سے زیادہ خود ہز ہائی نس کی آزمودہ وفاداری متقاضی تھی مگر ہز اکسلنسی نے اس نتیجہ پر پہونچنے کے لئے اپنے آپ کو مجبور پایا کہ یہ دعاوی کلیتہً بے بنیاد ہیں اور صحت و درستی کا شائبہ بھی ان کی تائید میں موجود نہیں ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا کے لئے یہ بہت تکلیف دہ ہوتا ہے کہ کسی دیسی ریاست کی درخواست پر سخت الفاظ میں کلام کرے۔ مگر سر سالار جنگ کے خط میں فضول اور ادعا کی جو روح بھری ہوئی ہے جو ان کے شاہی آقا کے مرتبے اور خود انکی شان تدبر دونوں کے خلاف ہے وہ گورنر جنرل کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہیں رہنے دیتی کہ وہ آیندہ کیلئے یہ درخواست کریں کہ دربار حیدر آباد کی خط و کتابت اس سے زیادہ سنجیدگی اور ہوشمندی کے ساتھ ہونی چاہئے۔“ [۱]

فی الواقع یہ تنبیہ تھی بھی معقول کیونکہ حق طلب کرنا، معاہدات کی پابندی پر زور دینا اور برسوں کے کھائے ہوئے مال کو اگلوانے کی کوشش کرنا یہ سب کے سب نہایت غیر سنجیدہ اور غیر ہوشمندانہ افعال ہیں اور ان کا ارتکاب انگریز کے سوا کوئی اور کرے تو وہ اسکی شاہانہ قدر و منزلت اور مدبرانہ شان دونوں کے عین منافی ہے کیونکہ دوسروں کے لئے تو یہی سزاوار ہے کہ اپنا مال دیں اور پھر پلٹ کر نہ مانگیں۔

ایک طرف سالار جنگ کو یہ جواب دیا گیا دوسری طرف ۱۴ فروری سنہ ۱۸۶۷ء

---

(۱) حیدر آباد آفیرز جلد ۲ صفحہ ۶۵۶

کو سکرٹری آف اسٹیٹ لارڈ کرینبورن .... کے نام
سالار جنگ کا خط ایک طویل نوٹ کے ساتھ بھیجا گیا اور انہیں لکھدیا گیا کہ

"ہم پوری احتیاط کے ساتھ تحقیقات کر کے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بیان کردہ قرضوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور چونکہ وہ سمجھوتہ جسکی رو سے برٹش گورنمنٹ نے زیر بحث مصارف کی ذمہ داری قبول کی ہے اسکی روح ہی یہ ہے کہ ہمارے پاس ان مطالبات کو پورا کرنے کے لئے ایک ایسا مستقل ذریعہ آمدنی ہونا چاہئے جو اس کے لئے کافی ہو' اس لئے ہم نے دربار کو مطلع کر دیا ہے کہ ہم موجودہ تفویض برار میں کسی ترمیم کے فتح یاب کی کوئی وجہ نہیں پاتے"۔[۵۱]

اس کے جواب میں ۳۱ مئی ۱۸۶۷ء کو لارڈ اسٹیفرڈ ناتھ کورٹ سکرٹری آف اسٹیٹ نے لکھا کہ

"میں اس باب میں آپ کی رائے سے پورا اتفاق رکھتا ہوں کہ اس قرض کا کوئی وجود ہی نہیں ہے جس کے متعلق دربار حیدرآباد نے بیان کیا ہے کہ وہ برٹش گورنمنٹ کے ذمہ ہز ہائی نس نظام کی طرف سے واجب الادا ہے اور جس کو ہز ہائی نس نے اپنی موجودہ درخواست کی بنیاد قرار دیا ہے"۔ اب رہا وہ دعویٰ جو متوقع انقراض ریاست میسور میں برٹش گورنمنٹ کے ساتھ مساویانہ حصہ لینے کے متعلق نظام نے پیش کیا ہے تو برٹش گورنمنٹ یہ تسلیم ہی نہیں کرتی کہ علاقہ میسور میں نظام کچھ حقوق مستلزم الاستعا رہ

---

۵۱ حیدرآباد آفیرز جلد ۲ صفحہ ۶۴۸

کہتے ہیں تاہم سردست یہ کہدینا کافی ہے کہ سر سالار جنگ کے پیش کردہ دعاوی ایسے مفروضات و قیاسات پر قایم کئے گئے ہیں جو صحیح نہیں ہیں اس لئے ان پر بحث کرنا بالکل غیر ضروری ہے

اس طرح یہ معاملہ ہمیشہ ختم کردیا گیا۔ ڈیڑھ سال بعد نواب مغفرت مکاں فضل الدولہ بہادر کا انتقال ہوگیا۔ فروری ۱۸۶۹ء میں نواب میر محبوب علیخان بہادر تین سال کی عمر میں وارث تخت و تاج ہوئے۔ سر سالار جنگ ان کے ایام نابالغی میں مختار ریاست بنائے گئے اور نواب شمس الامراء امیر کبیر کو شریک مختار بنایا گیا۔ شمس الامراء اور سالار جنگ کے خاندان میں پرانی مخالفت تھی۔ لیکن دونوں ریاست کے خیرخواہ تھے اس لئے جہاں تک ریاست کے مفاد کا تعلق تھا دونوں ایک متفقہ پالیسی پر کاربند رہے اور استرداد برار کی طرف دونوں نے اپنی پوری توجہ صرف کی۔

۱۴ر فروری ۱۸۶۶ء کے مراسلہ میں گورنمنٹ آف انڈیا نے تفویض برار کے معاہدہ میں ترمیم و تنسیخ کا دروازہ کھولنے سے صرف اس بناء پر انکار کیا تھا کہ گورنمنٹ کو کنٹیجنٹ کی تنخواہوں کے لئے "ایک مستقل ذریعہ آمدنی" کی ضرورت تھی اس لئے سر سالار جنگ نے "ایک مستقل ذریعہ آمدنی" مہیا کرنے ہی کی طرف ساری توجہ منعطف کردی اور آخرکار اپنی اعلیٰ قابلیت سے انہوں نے ۹ کروڑ روپیہ کا انتظام کرکے ۱۹ر ستمبر ۱۸۷۲ء کو دوبارہ مسئلہ برار کا افتتاح کیا اور گورنمنٹ کو لکھا کہ کنٹیجنٹ کے مصارف کے لئے ۸۰ ملین پونڈ کی نقد رقم جمع کرادیتے ہیں۔ اور اس طرح وہ "مستقل ذریعہ آمدنی" گورنمنٹ کے ہاتھ آجاتا ہے جسکی خاطر ملک برار سرکار نظام سے لیا گیا ہے۔ اگر کوئی نیک نیت حکومت ہوتی تو یقیناً اس تجویز کو منظور کرلیتی۔ کیونکہ ۸۰ ملین پونڈ کا صرف سود ہی کنٹیجنٹ سالانہ مصارف

کے لئے کافی تھا۔ لیکن وہاں تو اصل مقصود کنٹنجنٹ نہ تھی بلکہ برار تھا۔ اس لئے

۲۴ ستمبر ۱۸۷۱ء کو گورنمنٹ آف انڈیا کے سکرٹری نے رزیڈنٹ کی معرفت

یہ مختصر سا جواب دیدیا کہ "اول تو ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے معاہدوں کو قائم رکھنا

یا بدل دینا تنہا حکومت حیدرآباد کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اس کے لئے

دونوں حکومتوں کی رضامندی درکار ہے۔" دوسرے مذکورہ بالا دونوں

معاہدوں کا بنیادی اصول یہ تھا کہ "کنٹنجنٹ کے مصارف کے لئے ارضی ضمانت

(ٹیرٹیوریل گارنٹی) مہیا کی جائے۔" چھ سال پہلے تک

انہی معاہدوں کی روح صرف یہ تھی کہ "مستقل ذریعہ آمدنی" ۔ برٹش گورنمنٹ

کے ہاتھ میں ہو مگر جب وہ "مستقل ذریعہ آمدنی" ہاتھ میں دینے کا بندوبست

ہوگیا تو اب ان ہی معاہدوں کا بنیادی اصول یہ مقرر ہوا کہ "ارضی

ضمانت" مہیا کی جائے ان حیلوں اور بہانوں کا مطلب اس کے سوا اور کیا

ہو سکتا تھا کہ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے معاہدوں کا بنیادی اصول محض ملک برار

پر انگریزی تسلط تھا اور کنٹنجنٹ کی حیثیت شکاری کے جال کے سوا کچھ نہ تھی

حکومت کے اس رویہ پر خود انڈین کونسل کے بعض ممتاز ارکان نے سختی کے ساتھ

نکتہ چینی کی اور سر جان کے (Sir john kaye) نے تو

یہاں تک لکھدیا کہ جو طرز عمل گورنمنٹ اختیار کر رہی ہے اس نے ہندوستان

کی تمام بڑی بڑی ریاستوں کو یہ یقین دلایا ہے کہ جو پالیسی ہم نے اپنی

کمزوری کے زمانہ میں اختیار کی تھی اسے اب ہم اپنی طاقتوری کے زمانہ

میں بدل رہے ہیں اور آخر میں اس نے لکھا تھا کہ :-

اس روش میں سلطنت کے لئے شدید خطرات مضمر ہیں جن کو میں اپنے بیس سال کے تجربہ کی بناء پر نمایاں دیکھتا ہوں"[۱]

لیکن یہ سب تنبیہیں بیکار تھیں حکومت برطانیہ کے ارباب حل و عقد کی نگاہ میں ملک برار کی قیمت ان نصائح کے مقابلہ میں زیادہ تھی۔

حکومت ہند کے اس انکاری جواب پر ۲۴ر نومبر ۱۸۷۳ء کو سالار جنگ اور شمس الامراء نے رزیڈنٹ کے نام ایک خط لکھا جس میں انہوں نے حکومت کے جواب پر اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اگرچہ سرکار نظام کسی جائز معاہدہ کی بناء پر کنٹنجنٹ رکھنے کی پابند نہیں ہے۔ تاہم وہ برٹش گورنمنٹ کی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے تیار ہے اور صرف یہ چاہتی ہے کہ برٹش گورنمنٹ باہمی اتفاق کے ساتھ اس امر پر غور کرے کہ "ارضی ضمانت" کے بجائے نقد مالی ضمانت کے قبول کرنے میں کیا قباحت ہے۔

اس مراسلہ کو کلکتہ کے دفتر سیاسیات نے اس طرح نذر تغافل کر دیا جیسے کہ وہ وصول ہی نہیں ہوا اور ۱۹ر مارچ ۱۸۷۴ء کو لارڈ سالسبری (وزیر ہند) سے یہ مختصر سا فیصلہ حاصل کر لیا کہ اضلاع کی مدت تفویض کو متعین کرنا حکومت حیدر آباد کے اختیار میں نہیں ہے اور ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے معاہدات کا اصلی مقصد ارضی ضمانت حاصل کرنا تھا وزیر ہند کا یہ فیصلہ ۱۲ر مئی ۱۸۷۴ء کو حکومت حیدر آباد کے پاس بھیج دیا گیا۔

اس کے جواب میں ۶ر جولائی ۱۸۷۴ء کو سر سالار جنگ اور شمس الامراء نے

---

[۱] حیدر آباد آفیئرز جلد ۲ صفحہ ۳۸۳

ایک اور طویل مراسلہ بھیجا جو ۱۲۴ پیراگراف پر مشتمل تھا اور اس میں انہوں نے کنٹنجنٹ کی حقیقت، اس کے قرض کی اصلیت، اور ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی غیر قانونی نوعیت کو واضح کرنے کے بعد گورنمنٹ کو صاف طور پر مطلع کر دیا کہ محض برٹش گورنمنٹ کو خوش رکھنے کے لئے ہم اس کنٹنجنٹ کو برقرار رکھنے پر راضی تھے۔ اور اس کے مصارف کے لئے ۸ ملین پونڈ کی رقم خطیر پیش کر رہے تھے۔ لیکن اگر ہمارے اس فیاضانہ پیشکش کو رد کیا جاتا ہے تو ہمارے لئے اسکے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا کہ کرنل لو کے اس وعدہ پر اپنے مطالبات کو قائم کریں جو ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کے وقت انہوں نے حکومت ہند کی جانب سے کیا تھا کہ "تفویض صرف اس وقت تک کے لئے ہے جب تک سرکار نظام کو کنٹنجنٹ کی ضرورت رہیگی"۔ لہذا اب ہم کہتے ہیں کہ ہمیں کنٹنجنٹ کی ضرورت نہیں ہے، آپ اسے برطرف کیجئے اور ہمارا ملک ہمیں واپس دیجئے۔ ۵۱

یہ برٹش گورنمنٹ کے غاصبانہ حیلوں کا اصلی جواب تھا اور اس جواب کو صبر و سکون کے ساتھ سننا گورنمنٹ کی قوت ضبط سے باہر تھا۔ کلکتہ کے صیغۂ خارجیہ نے اس مراسلہ کو دبا کر رکھ لیا وزیر ہند کو اس کی خبر تک نہیں کی اور ان سے درخواست کی کہ وہ ایک آخری جواب دیکر اس معاملہ کو ختم کر دیں۔ چنانچہ حکومت ہند کی درخواست پر لارڈ سالسبری نے ۱۷ر جولائی ۱۸۷۶ء کو سر سالار جنگ کے مطالبات کا یہ قطعی جواب دیدیا کہ نہ ملک برار واپس کیا جائے گا اور نہ کنٹنجنٹ کے لئے مالی

---

۵۱ حیدر آباد آفیرز جلد ۲ صفحہ ۳۵۸ - ۳۵۹

ضمانت قبول کی جائے گی۔ یہ جواب سر سالار جنگ کے ۶ جولائی والے خط کے بعد اس کے علم کے بغیر لکھا گیا تھا اور اس کے جواب میں بالکل بے معنی تھا، لیکن ریذیڈنٹ نے اس راز کو چھپانے کے لئے کہ "یہ قطعی فیصلہ" ۶ جولائی والے خط کو دیکھے بغیر صادر کیا گیا ہے۔ اسے ایک مہینہ سے زیادہ عرصہ تک دبائے رکھا، اور ۲ اگست ۱۸۷۴ء کو امرائے حیدرآباد کی ایک دعوت کر کے اس میں سر سالار جنگ اور شمس الامراء کو زبانی اس فیصلہ کا خلاصہ سنا دیا اور صاف الفاظ میں یہ بھی کہدیا کہ اس فیصلہ کے بعد اب میں مسئلہ برار کے متعلق کوئی خط حکومت ہند کو بھیجنے کے لئے وصول نہیں کروں گا۔[۱] سالار جنگ نے لارڈ سالسبری کے مراسلہ کو اپنی آنکھ سے دیکھنے کی خواہش کی مگر ریذیڈنٹ نے انکار کر دیا۔ دوسرے دن سالار جنگ نے سرکاری طور پر وزیر ہند کے مراسلہ کی نقل طلب کی مگر اس کا بھی وہی جواب تھا جو زبانی درخواست کا دیا جا چکا تھا۔ اس پر سر سالار جنگ نے ۲۹ ستمبر ۱۸۷۴ء کو ایک پُر زور خط ریذیڈنٹ کے نام لکھا جس میں انہوں نے صاف لکھدیا کہ

"اس جواب کا مطلب تو یہ ہے کہ سرے سے یہ بحث ہی کرنے سے انکار کیا جا رہا ہے کہ ہمارے دعاوی صحیح ہیں یا غلط اور انکی صحت و عدم صحت کا امتحان کئے بغیر ان کو زبردستی دبا دینے کی کوشش کیجا رہی ہے.... سکریٹری آف اسٹیٹ کا

---

[۱] حیدرآباد آفیرز جلد ۲ صفحہ ۳۸۵ - ۳۸۸

فیصلہ جسکو آخری فیصلہ کہا جا رہا ہے، ہمارے اصلی دعاوی اور دلائل کو دیکھے بغیر صادر کیا گیا ہے اور در اصل وہ ہمارے اس خط کا جواب ہے جو ۱۰ جولائی والے خط سے پہلے بھیجا گیا تھا۔"

رزیڈنٹ نے سر سالار جنگ کے اس خط کو حکومت ہند کے پاس بھیجنے سے انکار کر دیا اور ۲ اکتوبر کو اسے ان الفاظ کے ساتھ واپس کر دیا کہ وائسرائے کی واضح ہدایات یہ ہیں کہ اب میں اس مسئلہ کے متعلق انہیں کوئی مراسلہ نہ بھیجوں۔ سر سالار جنگ نے ۱۵ اکتوبر کو پھر وہی خط رزیڈنٹ کے پاس بھیجا اور اسے لکھا کہ اس ریاست کی طرف سے جو فرائض مجھ پر اور میرے رفیق کار پر عائد ہوتے ہیں وہ ایک ایسے فیصلہ کو "آخری فیصلہ" تسلیم کرنیکی اجازت نہیں دیتے جو ہمارے دعاوی کے حسن و قبح کو جانچے بغیر بلکہ نفس دعاوی کو دیکھے بغیر صادر کیا گیا ہو۔ دوسرے دن رزیڈنٹ نے اس مراسلہ کو ایک نہایت خشمناک خط کے ساتھ سر سالار جنگ کے پاس واپس بھیجدیا جسمیں لکھا تھا کہ:۔

"اس طرح کا پیہم اصرار پرائیوٹ اور سوشل تعلقات میں بھی ایک لمحہ کیلئے برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اور سرکاری معاملات میں تو اس سے کوئی اچھا نتیجہ پیدا ہی نہیں ہو سکتا اس کا راست نتیجہ یہ ہوگا کہ ان عمدہ تعلقات پر برا اثر پڑے گا جو نظام کی نابالغی کے زمانہ میں حکومت ہند آپ سے اور امیر کبیر سے برقرار رکھنا چاہتی ہے۔"[۵۱]

---

[۵۱] حیدرآباد آفیرز جلد ۲ صفحہ ۳۸۷

ایک طرف اس طریقہ سے سر سالار جنگ کا منہ بند کیا گیا اور دوسری طرف انگریزی حکومت نے اپنے اس قدیمی دوست کے اثر کو کم کرنے کے لئے سازش شروع کردی۔ سر سالار جنگ کو برطانی حکومت کا وفادار دوست اس بناء پر سمجھا جاتا تھا کہ ان سے برطانی حکومت کو یہ امید تھی کہ وہ اپنے ملک اور اپنے آقا کی سلطنت سے غداری کرینگے مگر جب انہوں نے ایک نمک حلال خادم دولت کی حیثیت سے اپنے آقا کے جائز حقوق طلب کرنے شروع کئے تو وہی سالار جنگ سلطنت برطانیہ کے دشمن ہو گئے اور انگریزی حکومت نے ان کو اس طرح حیدر آباد کی حکومت سے نکالدینا چاہا جس طرح انگلی میں سے پھانس نکالدی جاتی ہے اس غرض کے لئے انگریزی رزیڈنٹ مسٹر سانڈرس نے رزیڈنسی میں امرائے حیدر آباد کو کھانے کی دعوت دی، اس میں ان لوگوں کو خاص طور پر بلایا جو سالار جنگ کے سخت مخالف تھے اور ان سے درخواست کی کہ وہ سالار جنگ اور شمس الامراء کو ان کی "نازیبا" حرکات سے باز رکھیں لیکن اس ریشہ دوانی میں مسٹر سانڈرس کو ناکامی ہوئی اور تقریباً تمام اکابر دولت نے اس کو یقین دلادیا کہ برار کے مسئلہ میں وہ سب مختار الملک اور ان کے رفیق کے موید ہیں۔ یہی واقعہ ہے جس کی طرف سالار جنگ نے اپنے ۲۹ ستمبر ۱۸۷۶ء والے خط میں اشارہ کیا ہے کہ

"ہم یہ گمان بھی نہیں کرسکتے کہ اس ریاست کا کوئی وفادار خادم جو ہماری طرح اس دعوے کی قوت و صداقت کو محسوس کر چکا ہو۔ اور ہماری ہی ذمہ داری کا حامل ہو اعلیٰ حضرت کے متعلق اپنے فرائض کا احساس

رکھنے کے باوجود ہمیں یہ مشورہ دے گا کہ اس دعوے سے دست بردار ہو جانا چاہیئے۔[۱]

سالار جنگ کو رزیڈنٹ کے رویہ سے معلوم ہو چکا تھا کہ انگریزی حکومت ان سے سخت ناراض ہے، مگر انہوں نے اس ناراضی کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کی اور اپنے دعوے کو آگے بڑھانے کے لئے یہ غیر معمولی طریق کار اختیار کیا کہ ۱۷ اکتوبر ۱۸۷۶ء کو براہ راست وزیر ہند کے پاس اپنے کاغذات بھیج دیے اور انہیں اس سے بھی مطلع کر دیا کہ رزیڈنٹ اور حکومت ہند کے کس غیر معقول طرز عمل نے ان کو یہ غیر معمولی طریقہ اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے۔ لارڈ سالسبری کم از کم اتنے بدتمیز نہ تھے کہ مسٹر سانڈرس کی طرح ایک مقتدر ریاست کے وزیر اعظم کے منہ پر ان کاغذات کو کھینچ مارتے۔ انہوں نے معاملہ کی نزاکت کو سمجھ کر کاغذات رکھ لئے اور حکومت ہند کو ہدایت کی کہ وہ سر سالار جنگ کے دلائل کا جواب دے اور خصوصیت کے ساتھ اس استدلال کا جواب دے کہ "صریح مواعید کی بناء پر کنٹیجنٹ کا برقرار رکھنا یا اسے برطرف کر دینا نظام کی اپنی مرضی پر موقوف ہے۔ لیکن حکومت ہند کے پاس دلائل کا کچھ جواب نہ تھا۔ وہ غیر متعلق کاغذات بھیج بھیج کر وزیر ہند کا وقت ضائع کرتی رہی اور اصل بنیادی نکات کا جواب دینے سے احتراز کرتی رہی یہانتک کہ پورا ایک سال گذر گیا اور سالار جنگ کو وزیر ہند کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ آخر کار سر سالار جنگ نے اس قضیہ کو طے کرنے کے لئے انگلستان جانے کا

---

[۱] میمو آئیرز صفحہ ۳۵۹

عزم کر لیا اور ۱۸۷۶ء میں وہ ملک کا انتظام اپنے رفیق کے سپرد کر کے خود یورپ روانہ ہو گئے۔ حکومت ہند کے لئے یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ سالار جنگ کو سفر سے روکنا اس کے اختیار میں نہ تھا اور یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہ وزیر ہند کے ساتھ بالمشافہ گفتگو کر کے اس معاملہ کو طے کر لیں اس لئے اس نے اس مشکل کا یہ حل تلاش کیا کہ سفر انگلستان میں سالار جنگ وزیر ہند سے برار کے متعلق کوئی گفت و شنید نہ کریں۔ اور اس کے عوض رسمی مراسلت کے دروازہ کو کھول دیا جائے جو ۱۸۷۴ء میں رزیڈنٹ نے بند کر دیا تھا۔ چنانچہ اس سمجھوتہ کو قبول کر کے سر سالار جنگ نے انگلستان میں برار کے متعلق کوئی گفت و شنید نہیں کی اور واپس آ کر دسمبر ۱۸۷۶ء میں اپنے دعاوی اور دلائل کے متعلق ایک مفصل بیان رزیڈنٹ کے پاس بھیجا تاکہ وہ اسے حکومت ہند کے پاس بھیج دے۔ لیکن رزیڈنٹ نے حسب سابق اس میموریل کو وصول کرنے سے انکار کر دیا۔

جنوری ۱۸۷۷ء کے دربار میں جب سالار جنگ نواب میر محبوب علیخاں مرحوم کو لیکر دہلی گئے تو کلکتہ کے صیغہ خارجیہ سے حکم آیا کہ جب تک سالار جنگ اور شمس الامراء دونوں اس مضمون کے اقرار نامہ پر دستخط نہ کر دیں کہ وہ حکومت آصفیہ پر دولت برطانیہ کی سیادت کو تسلیم کرتے ہیں اس وقت تک دربار حیدرآباد کو شاہی اجتماع میں شامل نہ کیا جائے۔[1] اس کے ساتھ ہی

---

[1] سر سالار جنگ نے معاہدات کی بناء پر یہ دعویٰ کیا تھا کہ دولت آصفیہ ایک آزاد و خود مختار ریاست ہے جس پر سلطنت برطانیہ کو حقوق سیادت حاصل نہیں ہیں بلکہ دونوں سلطنتوں کے تعلقات دوستانہ اتحاد پر مبنی ہیں سر سالار جنگ نے دولتین کے تعلقات میں بین الملی قانون کے نفاذ پر بھی زیادہ زور دیا تھا

ان سے یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ وہ دولتین کے مابین نزاعی امور میں زیرہند کے فیصلہ کو قطعی و آخری فیصلہ تسلیم کریں۔ حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے سالار جنگ نے ان دونوں شرطوں کو منظور کر لیا تب جا کر انہیں دربار میں شرکت کی اجازت دی گئی اور ان کے اس میموریل کو قبول کیا گیا۔ جسے ڈسمبر میں واپس کر دیا گیا۔

اس کے چند مہینے بعد اپریل ۱۸۷۷ء میں شمس الامراء امیر کبیر کا انتقال ہو گیا۔ اور سالار جنگ کا زور توڑنے کے لئے انگریزی حکومت کو وہ موقع مل گیا جسکی وہ منتظر تھی۔ سالار جنگ کی خواہش تھی کہ ایجنسی تنہا ان کے ساتھ مخصوص رہے اور سلطنت کے چاروں معین المہاموں کی ایک اکزکٹیو کونسل بنا دی جائے لیکن رزیڈنٹ سر رچرڈ میڈ

اور وائسرائے لارڈ لٹن کے درمیان کچھ اور ساز باز ہو رہا تھا۔ کئی مہینے تک مواد تیار ہوتا رہا اور آخر ۲۸ اگسٹ ۱۸۷۷ء کو سر رچرڈ میڈ نے سالار جنگ کو اطلاع دی کہ وائسرائے نے نواب وقار الامراء کو شریک مختار بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ سالار جنگ اور وقار الامراء میں شدید ذاتی عداوت تھی اور وہ ان سے ملکر کام نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اس فیصلہ کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اس پر سر رچرڈ میڈ سیدھے وائسرائے کے پاس پہنچے اور وہاں سے واپس آ کر انہوں نے ایک نیم سرکاری ذریعے سے سالار جنگ کو مطلع کیا کہ وائسرائے سے پوری اجازت لے لی گئی ہے اب اگر آپ نے ان کے آخری و قطعی فیصلہ کو قبول نہ کیا تو آپ کو

گرفتار کر کے ایک اسپیشل ٹرین کے ذریعہ مدراس بھیجدیا جائے گا۔[۵۱]
اس دھمکی کے بعد مزید مقاومت کرنا سالارجنگ کے لئے ناممکن تھا مجبوراً انہوں نے "فیصلہ" کے آگے سر جھکا دیا اور ۲۹ ستمبر ۱۸۶۷ء کو وقارالامرا کو شریک مختار بنا دیا گیا۔

یہ وہی سالارجنگ تھے جن کے متعلق ۲۸ جولائی ۱۸۵۸ء کے مراسلہ میں لارڈ اسٹینلے نے بحیثیت وزیر ہند یہ حکم دیا تھا کہ ان کا نام غدر کے وفاداروں کی فہرست میں سب سے اوپر رکھا جائے اور یہ وہی سالارجنگ تھے جن کے متعلق ۲۹ مارچ ۱۸۵۸ء کے ایک مراسلہ میں حیدرآباد کے رزیڈنٹ کرنل ڈیوڈسن نے لکھا تھا کہ:۔

"نظام کے وزیر نے جس بے دریغ مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ حکومت انگلشیہ کی اعانت کی ہے وہ تعریف و توصیف سے بالاتر ہے.... ہر خطرہ کے وقت میں ہماری علانیہ امداد کا تہیہ کر لینے سے وہ مسلمانوں میں سخت غیر مرغوب بلکہ قریب قریب خارج از ملت سے ہو گئے تھے مگر نہ کسی قسم کی ملامتیں اور دہمکیاں، اور نہ التجائیں اور استدعائیں ان کو اس سچی وفاداری کے راستہ سے ہٹا سکیں جو انہوں نے اول دن سے اختیار کیا تھا۔ بیسیوں مرتبہ ان کے قتل کی سازشیں کی گئیں اور مجھے یقین ہے کہ خود ان کو ان سازشوں کا علم تھا مگر نہ تو جان کا خوف ان کو اپنی جگہ سے ہٹا سکا اور نہ ان اطلاعات نے

---

۵۱ حیدرآباد آفیرز جلد ۲ صفحہ ۳۹۲

انہیں متزلزل کیا جو شمال مغرب سے ہماری تکستوں کے متعلق پیہم موصول ہو رہی تھیں۔ جب کبھی میں نے ان سے مدد طلب کی تو انہوں نے اسی استقلال اور یکدلی کے ساتھ اسکو پورا کیا اور حکومت نے نظام کے وسائل جہاں تک ان کے اختیار میں تھے، میرے لئے وقف رہے۔"

اس وفاداروں کے وفادار اور سرگرم مددگار کو آج گرفتاری اور جلاوطنی کی دھمکی دی جا رہی تھی، اس پر الزام لگایا جا رہا تھا کہ وہ وہابیوں کی سازش میں شریک ہے۔ افغانستان سے ساز باز کر رہا ہے، بغاوت کے لئے فوج تیار کر رہا ہے خفیہ اسلحہ سازی کے سامان فراہم کر رہا ہے۔ انگریزی اخبارات کے کالم اس پر طعن و تشنیع کے لئے وقف تھے۔ اور خود وائسرائے لارڈ لٹن کو بھی یہ کہنے میں تامل نہ تھا کہ اس کے عہد حکومت میں سالار جنگ سب سے بڑا "خطرہ" تھا۔[۱] اور یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ سالار جنگ نے اپنے آقا کے حق نمک کو ادا کرنے کے لئے انگریزی حکومت سے وہ ملک واپس طلب کیا تھا جسے وہ ہضم کر چکی تھی۔

چند الفاظ نواب وقار الامراء بہادر کے متعلق بھی کہنے ضروری ہیں جن کو اس موقع پر شریک مختار کے منصب کے لئے سب سے زیادہ "موزوں" اور "قابل" شخص قرار دیا جا رہا تھا۔ یہ شمس الامراء امیر کبیر اول کے صاحبزادے تھے ۱۸۵۹ء میں جب کرنل ڈیوڈسن اور نواب سالار جنگ پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا تو ان پر شبہ کیا گیا تھا کہ قاتل کی پشت پر ان کا ہاتھ ہے

۱۔ تھارنٹن نے سر جیرڈ میڈ کی سوانح عمری میں لٹن کے اس خط کا حوالہ دیا ہے۔

۱۸۶۱ء میں ایک اور سازش کے سلسلہ میں ان پر برٹش گورنمنٹ کا عتاب نازل ہوا تھا اور سرکاری درباروں میں ان کا داخلہ تک بند کردیا گیا تھا۔ ۷۰-۱۸۶۹ء کی ایڈمنسٹریشن رپورٹ میں مسٹر سانڈس رزیڈنٹ ان کے متعلق لکھتا ہے کہ :-

"۸ سال پہلے امیر کبیر کے بھائی نواب وقار الامراء ایک ایسی سازش میں شریک ہونے کے مجرم قرار دیئے گئے جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ خود اپنے لئے وزارت کا منصب حاصل کریں۔ اس لئے حکومت عالیہ کے احکام کے ماتحت ان کو ہر ایسے پبلک اجتماع کے موقع پر (جس سے خود نظام کا دربار بھی مستثنیٰ نہ تھا) شریک ہونے سے روک دیا گیا جس میں برطانی حکومت کا نمائندہ موجود ہو۔ یہ حکم سزا سیاسی اعتبار سے کامل موت کا ہم معنیٰ تھا۔" [۱]

چار پانچ سال پہلے تک جس شخص پر "سیاسی موت" طاری رکھی گئی تھی اور جس کا سرکاری اجتماعات میں داخلہ تک بند تھا۔ اس پر اب عنایات شاہانہ والطاف خسروانہ کی بارش ہو رہی تھی اور اس کے متعلق برطانی رزیڈنٹ امرائے حیدرآباد کے بھرے مجمع میں کہہ رہا تھا کہ "وہ ہمیشہ سے برٹش گورنمنٹ اور ہز ہائی نس نظام کی حکومت کے درمیان دوستانہ تعلقات رکھنے کا خواہشمند رہا ہے۔"

اس طرح سالار جنگ کو بے بس کرنے کے بعد ۲۸ مارچ ۱۸۷۸ء کو

---

[۱] حیدرآباد افیرز جلد ۲ صفحہ ۳۶۰

لارڈ سالسبری کی جانب سے سالار جنگ کے اس میموریل کا جواب بھجوایا گیا جو انہوں نے جون ۱۸۷۷ء کو بھیجا تھا۔ اس جواب میں کنٹجنٹ کے وجود اور اس کی برطرفی کے مسئلہ کو سرے سے ہاتھ ہی نہیں لگایا گیا کرنل لو کی معرفت سرکار نظام سے جو وعدہ کیا گیا تھا اس سے بھی کوئی بحث نہیں کی گئی اور تمام دلائل کا صرف یہ جواب دیا گیا کہ :-

"اس وقت ان اسباب اور محرکات کے متعلق تحقیقات کرنا جو ۱۸۵۳ء کا معاہدہ کرنے والوں کے لئے باعث تحریک ہوئے تھے، فضول ہے یہ واقعہ کہ اس پر دستخط کئے گئے اور وہ ان لوگوں کیلئے واجب التعمیل ہے جنہوں نے اس پر دستخط کئے، صرف یہی ایک ایسا مادی واقعہ ہے جس سے ہز مجسٹی حکومت کو ایک جانب اور ہز ہائی نس کی حکومت کو دوسری جانب سروکار رکھنا چاہیئے"

مگر اس کھلی ہوئی صداقت کشی کے باوجود لارڈ سالسبری سر سالار جنگ کے مدلل دعوے کو کلیتہً رد کرنے کی جراءت نہ کرسکا اور اس نے صرف اس عذر کی بناء پر اس کو رد کیا کہ "اس قسم کے مسائل کو نظام کی جانب سے چھیڑنا ایسی حالت میں کچھ نامناسب سا ہے جب کہ خود نظام ابھی نابالغ ہیں۔" اور اس کے ساتھ ہی یہ وعدہ کیا کہ اگر ہز ہائی نس امور سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد یہ خواہش کریں گے کہ دولتین کے تمام ان معاملات پر جو از روئے معاہدہ طے ہوئے ہیں ایک عام نظر ثانی کی جائے تو برٹش گورنمنٹ ہز ہائی نس کی اس درخواست پر غور کرے گی۔"

اگرچہ یہ عذر بھی نہایت غیر معقول تھا جب والی ملک کی نابالغی کے

زمانہ میں مختار ریاست تمام معاملات کا نگران ہوتا ہے تو اس کی جانب سے سیاسی مسائل کو طے کرنے میں کیا قباحت ہو سکتی ہے۔ خود تاریخ انگلستان میں ایجنسی کے ایسے اہم معاملات طے کرنے کی مثالیں نادر الوجود نہیں ہیں، ایڈورڈ ششم کی نابالغی کے زمانہ میں نہایت اہم قانون کلب کی تدوین اور ۴ لاکھ کراؤن کے عوض بولوں (Bologne) کی واپسی۔ ہنری سوم کی نابالغی کے زمانہ میں میگنا کارٹا کی توثیق اور آخری ایجنسی میں ۱۸۱۴ء کے معاہدہ پیرس کے ذریعے مالٹا، مارشیس، سیلون اور جزائر غرب الہند کا انگریزوں کے ہاتھ آنا یہ سب اسی کی مثالیں ہیں۔ جب ایسے ایسے معاملات ریجنسی کے دور حکومت میں طے ہو سکتے تھے تو حیدرآباد کی ریجنسی سے استرداد برار کے مسئلہ کو طے کرنا کیوں نامناسب تھا؟ تاہم یہی غنیمت ہے کہ لارڈ سالبسری نے لارڈ نارتھ بروک کی طرح گفت و شنید کا دروازہ بالکل بند نہیں کیا اور نظام کے لئے اس کی گنجائش رکھی کہ اس دروازہ کو کھٹکھٹا سکیں۔

نواب میر محبوب علیخاں مرحوم

نواب سالار جنگ مرحوم سالبسری کا یہ جواب سنکر اس امید پر خاموش ہو گئے تھے کہ اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں کے سن بلوغ کو

پہنچنے میں بھی کچھ زیادہ مدت نہ تھی، ان کو خیال تھا کہ جب حضور تخت نشین ہوں گے تو انگریزی حکومت کے لئے نابالغی کے عذر کی بھی گنجایش نہ رہے گی۔ لیکن قدرت انگریزی حکومت کے لئے پیہم کامیابی کے سامان مہیا کئے جارہی تھی۔ ابھی اعلیحضرت مرحوم کی تخت نشینی میں ایک سال باقی تھا کہ ۱۸۸۳ء میں نواب سالار جنگ کا انتقال ہوگیا اور انگریزی حکومت کے کارندے اس کوشش میں لگ گئے کہ نواب کی تخت نشینی سے پہلے برار کے قضیہ کا ہمیشہ کے لئے قابل اطمینان فیصلہ کرلیا جائے۔ حیدرآباد کے چالاک رزیڈنٹ مسٹر کارڈری (Cordery) نے بعض نمک حرام امراء سے سازباز شروع کردیا اور ایک عہدنامہ کا مسودہ بھی طیار کرلیا۔ جس پر نوجوان بادشاہ سے دستخط لینے کا ارادہ تھا۔ بلنٹ جو اس زمانہ میں ہندوستان کی سیاحت کرتے ہوئے حیدرآباد آیا تھا اپنی مشہور کتاب ہندوستان بعہد رپن (Ripon) میں اس سازش کے متعلق لکھتا ہے :۔

"ہم نے نہایت آزادی کے ساتھ سیاسی حالت پر گفتگو کی جو یہ تھی چند ہفتوں میں نظام سن بلوغ کو پہنچ جائیں گے اس کیلئے رزیڈنسی کی طرف سے یہ کوشش کیجارہی ہے کہ ان سے ایک معاہدہ پر دستخط حاصل کئے جائیں جس میں نظام اور حکومت ہند کے درمیان موجودہ اتحاد کی تجدید کے ساتھ ایکدفعہ اس قسم کی بھی ہے جو تمام پچھلے معاہدات کو

منسوخ کر دیتی ہے۔ اور اس طرح صوبہ برار مستقل طور پر انگریزوں کے ہاتھ آجاتا ہے.......... سید حسین (نواب عماد الملک مرحوم) یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ مجوزہ معاہدہ کا مسودہ رزیڈنسی میں تیار رکھا ہے ان کو اسکی ایک نقل یا اس کا خلاصہ دکھایا گیا ہے اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ جب نظام سن بلوغ کو پہنچیں گے تو یا تو اس معاہدہ کو انکی تخت نشینی کیلئے لازمی شرط کے طور پر پیش کیا جائے گا یا اس سے پہلے ہی اس پر پیشکار کے دستخط لے لئے جائیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ کارروائی قانون کے مطابق کی جا سکتی ہے کیونکہ کونسل آف ریجنسی کو شاہی اختیارات حاصل ہیں اور کونسل جن لوگوں پر مشتمل ہے۔ ان میں ایک تو ضعیف العمر اور غیر مستقل پیشکار ہیں دوسرے خود تخت کے امیدوار خورشید جاہ ہیں اور یہ دونوں رزیڈنسی کے اثر میں ہیں تیسرے بشیر الدولہ ہیں جن کا کوئی خاص رنگ یا مضبوط کیرکٹر نہیں ہے۔ رہے نوجوان سالار جنگ (یعنی میر لائق علیخاں ابن سالار جنگ اول) سو وہ کونسل میں محض میں سکرٹری کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لحاظ سے کونسل کے فیصلوں میں ان کی آواز کا کوئی خاص اثر نہیں ہے۔"

بہت ممکن تھا کہ اس سازش کو کسی نتیجہ خیز حد تک پہنچا دیا جاتا، مگر اس وقت ہندوستان کا وائسرائے لارڈ رپن تھا جو نارتھ بروک اور لٹن سے مختلف ذہنیت کا آدمی تھا، اس لئے اسکے ماتحت روز روشن میں یہ بے ایمانی نہ کی جا سکی اور برار کا مسئلہ مزید بیس سال کے لئے ملتوی ہو گیا۔

اعلیٰحضرت مرحوم نے مسند آرائے سلطنت ہونے کے بعد استرداد برار کے مسئلہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور انگریزی حکومت کے ساتھ غایت درجہ کی وفاداری کا اظہار کرتے رہے۔ انہوں نے افغانستان اور مصر کے مسائل میں اپنی فوجی امداد انگریزی حکومت کو پیش کی ۱۸۸۷ء میں جبکہ روس کا خطرہ بڑھ رہا تھا تو مرحوم نے سرحد کی حفاظت کے لئے ۶۰ لاکھ روپیہ اور ایک کثیر فوج سے حکومت کی مدد کرنے کی خواہش ظاہر کی اور فرمایا کہ اگر ضرورت ہو تو میں بذات خود میدان جنگ میں جاؤں گا۔

اعلیٰحضرت کی اسی پیشکش سے امپیریل سروس ٹروپس کا تخیل پیدا ہوا ۱۸۹۲ء میں انہوں نے امپیریل گورنمنٹ کی مدد کے لئے ۸۰۰ سوار رونکا ایک رسالہ قائم کیا اور ڈسمبر ۱۹۰۰ء میں برٹش گورنمنٹ سے یہ سمجھوتہ کیا کہ جب کبھی میدان جنگ میں انکی فوج جائے گی تو وہ انگریزی افواج کے قائد اعلیٰ کے ماتحت رہے گی۔

اس وفاداری اور استرداد برار کے حق سے بے اعتنائی کا یہ انعام ملا کہ ۱۹۰۲ء میں لارڈ کرزن نے خود مسئلہ برار کو چھیڑا اور انہی جائز طریقوں سے جو پہلے ڈلہوزی اختیار کرچکا تھا، برار کا دوامی پٹہ حاصل کرلیا یہ کارروائی جس طریقہ سے عمل میں لائی گئی اسکی صحیح کیفیت ظاہر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ۵۰ سال پہلے کے واقعات سے اس کا سلسلہ از سرنو جوڑا جائے۔

لارڈ کرزن کا دوامی پٹہ

۱۸۵۳ء جب تفویض برار کے معاہدہ کی گفتگو کا آغاز کیا گیا تھا تو

ابتداءً حکومت برطانیہ کا مطالبہ یہ تھا کہ برار کو ہمیشہ کے لئے اس کے حوالہ کردیا جائے۔ ۳۰ مارچ ۱۸۵۳ء کو لارڈ ڈلہوزی نے مجوزہ معاہدہ کا جو مسودہ کرنل لو کے نام بھیجا تھا اسکی دفعہ ۶ کے الفاظ یہ تھے۔

"مذکورہ بالا حیدر آباد کنٹیجنٹ کے مصارف کی باقاعدہ ادائیگی کے لئے ہزہائی نس نظام اس معاہدہ کے ذریعہ آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کو دوامی طور پر وہ تمام اضلاع سپرد اور تفویض کرتے ہیں جن کے نام اس معاہدہ سے منسلک ضمیمہ میں دیئے گئے ہیں۔

جب یہ مسودہ نواب ناصر الدولہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے سب سے زیادہ جس چیز کی مخالفت کی وہ یہی "دوامی تفویض" تھی اس کے خلاف انکی ناراضی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ انگریزی سلطنت کی شدید دھمکیوں کے باوجود اس کو قبول کرنے سے سختی کے ساتھ انکار کرتے رہے اور انگریزی رزیڈنٹ کو یقین ہو گیا کہ اگر اس پر زیادہ زور دیا گیا تو اعلیحضرت معاہدہ ہرگز نہیں کریں گے تب اس نے "دوامی طور پر" کے الفاظ نکال دیئے اور اس شرط پر معاہدہ کیا کہ جب تک انہیں کنٹیجنٹ کی ضرورت رہے گی اس وقت تک برار انگریزی انتظام میں رہیگا۔ کرنل لو اپنے ۴ مئی ۱۸۵۳ء کے مراسلہ میں لکھتا ہے کہ:۔

میں نے جب دیکھا کہ لفظ "دواماً" (Imperpetuity) سے نظام کی ناراضی انتہا درجہ کو پہنچی ہوئی ہے اور مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں نے اس لفظ پر زیادہ اصرار کیا تو تمام گفت و شنید ہی ناکام ہو جائے گی تو میں نے یہ اعلان کیا کہ اس اسکیم کا یہ حصہ ایسا ہے جس کے متعلق میری حکومت نے

مجھے آزادی دی ہے کہ اگر ضروری ہو تو اسے بدل دوں اور میں نے باضابطہ
(Formally) یہ اعلان کر دیا کہ اگر ہز ہائی نس چاہتے ہیں تو یہ اضلاع کنٹیجنٹ
کی پرورش کی غرض سے محض اس وقت تک کے لئے تفویض کئے جا سکتے ہیں جب
تک انہیں اسکی (یعنی کنٹیجنٹ کی ضرورت رہے اور مزید برآں میں نے کہا کہ
اگر ہز ہائی نس مجھ سے یہ خواہش ظاہر کریں کہ وہ اس کی فوج کی ضرورت نہیں
رکھتے تو گورنر جنرل اسکو بتدریج تخفیف کر کے کلیتہً برطرف کر دینگے۔۔۔۔اور
جب یہ ساری فوج توڑ دی جائے گی جس میں چند ہی سال کی مدت صرف ہوگی
تو نظام ان اضلاع کو اپنے انتظام میں واپس لے سکتے ہیں۔[۱]

اس طرح تفویض کے محض عارضی ہونے کا اطمینان دلا کر ۱۸۵۳ء میں برار پر
قبضہ حاصل کیا گیا تھا۔ جب یہ ابتدائی مرحلہ طے ہو گیا تو سات سال بعد اس
مقصد کی جانب دوسرا قدم بڑھایا گیا۔ ۱۸۶۰ء میں لارڈ کیننگ کی گورنمنٹ نے نواب
افضل الدولہ سے خواہش ظاہر کی وہ ملک برار کو کمشنری ناگپور سے ملحق کرنے کی اجازت
دیدیں اور ملک کی آمدنی میں سے منافع کا مطالبہ ترک کر دیں۔ سر سالار جنگ نے اس پر
یہ اعتراض کیا کہ اگر ایسا کیا گیا تو تفویض برار کی بالکل وہی حیثیت ہو جائیگی جو بلاری
کے علاقہ کی ہے۔ اور اس طرح "الحاق" اور "تفویض" میں کچھ فرق نہ رہیگا۔ اس
معقول اعتراض کا حکومت ہند کے پاس کوئی جواب نہ تھا، اس لئے اس نے تحریص
واطماع سے کام نکالنے کی کوشش کی اور سرکار نظام کو رزیڈنٹ کی معرفت لکھا کہ:۔
گورنر جنرل باجلاس کونسل ان اضلاع کو کلیتہً نظام کے مقبوضات کا ایک

---

[۱] Hyderabad affairs Vol. II P. 608.

حصہ سمجھتے ہوئے اور برٹش گورنمنٹ کے کسی ضلع میں ان کو ضم کرنے سے احتراز کرتے ہوئے محض انتظامی آسانی اور خرچ کی کفایت کے لئے یہ چاہتے ہیں کہ انہیں کمشنر ناگپور کی نگرانی میں دیدیں اس طریقہ سے جو ڈپٹی کمشنر کا عہدہ توڑ دیا جا سکے گا۔ اضلاع مفوضہ کے انتظام کے لئے دوسرا عملہ جو حیدرآباد میں رکھا جاتا ہے اسے بھی موقوف کیا جا سکیگا اور بہت سی تخفیف مصارف سے متعلق اصلاحیں عمل میں لائی جا سکینگی۔[1]

لیکن اس اطلاع کا بھی حضور نظام پر کچھ اثر نہ ہوا اور جب ان پر زیادہ زور ڈالا گیا تو انہوں نے صاف کہا کہ تم ہمیں ایسے امور کو قبول کرنے پر مجبور کرتے ہو جن کو ہم نہیں چاہتے، اور ملکہ معظمہ کے اعلان کے باوجود تمہاری حکومت ہمارے ساتھ پھر وہی جابرانہ سلوک کرنا چاہتی ہے جسکی بدولت اس سے پہلے ہم سالہا سال تک مالی مشکلات میں مبتلا رہے ہیں۔[2] انگریزی حکومت تہیہ کر چکی تھی کہ سر جان میلکم کی پرانی اسکیم کے مطابق برار، ناگپور، ساگر اور نربدا کے علاقوں کو ملا کر ایک صوبہ متوسط قائم کر دے اور یہاں طے ہو چکا تھا کہ اس جدید صوبہ کا پہلا لفٹننٹ گورنر حکومت ہند کے معتمد امور خارجہ مسٹر سیسل بیڈن کو بنایا جائے مگر جب دیکھا کہ نظام اس نقطہ پر اتنی سختی کے ساتھ جمے ہوئے ہیں "تخویف و ترہیب" کے بغیر اپنی مرضی و خوشی سے اسکو نہ چھوڑیں گے۔[3] حکومت ہند نے

---

[1] مسٹر نیگ ڈپٹی سکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا کا مراسلہ مورخہ ۵ ستمبر ۱۸۶۰ء نمبر ۳۸۸۹ صیغہ خارجہ۔ [2] کرنل ڈیوڈسن کا مراسلہ مورخہ ۱۲ اکتوبر ۱۸۶۰ء نمبر ۱۹ صیغہ خارجہ۔ [3] ایضاً۔

کسی دوسری فرصت کے لئے اس ارادہ کو ملتوی کردیا اور بلا واسطہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے بجائے، بالواسطہ حاصل کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔

یہ بالواسطہ حصول مقصد کا طریقہ یہ تھا کہ آمد و خرچ کا حساب پیش کرنیکی شرط جو ۱۸۵۳ء میں نکالی گئی تھی، اڑادی گئی اور حکومت کے لئے اس حق کو محفوظ کرلیا گیا کہ وہ برار کی آمدنی میں سے جتنا چاہے خرچ کرے۔ چنانچہ ۱۹ نومبر ۱۸۶۰ء کو حکومت ہند کے صیغہ خارجیہ کی جانب سے یہ تصریح کردی گئی کہ :-

"گورنر جنرل باجلاس کونسل اس بات پر راضی ہیں کہ اضلاع مفوضہ کی آمدنی میں سے نظم و نسق کے مصارف اور وہ اخراجات جو اس پر عائد کئے گئے ہیں وضع کرکے جو کچھ رقم بچے وہ سرکار نظام کو ادا کردے، مگر یہ رضامندی صرف اس مفاہمت پر ہے کہ اس مد میں برٹش گورنمنٹ کے لئے پھیلاؤ کی زیادہ سے زیادہ گنجایش رکھی جائے گی اور ان اضلاع کے نظم و نسق کے لئے تمام وہ اخراجات جنھیں گورنمنٹ کے عہدہ دار مناسب اور ضروری سمجھیں گے۔ انھیں قبل اس کے کہ کوئی فاضل باقی سرکار کو ادا کیا جائے اس میں وضع کرلیا جائے گا اور سرکار نظام کو اس اعتراض کرنے کا حق نہ ہوگا اور اگر ایک سال آمدنی سے خرچ زیادہ ہونے کے باعث گھاٹا آیا تو اسے دوسرے سال کی بچت سے پورا کرلیا جائے گا۔"[۱]

اس شرط کو سرکار نظام نے طوعاً کرہاً منظور کرلیا اور ۱۸۶۰ء کے معاہدہ کی دفعہ

---

[۱] مسٹر نگ کا مراسلہ نمبر ۵۵۷۶ صیغہ خارجہ

چہارم میں یہ بات طے کر لی گئی کہ :-

اخراجات کی مقدار کلیتہً برٹش گورنمنٹ کے اختیار تمیزی پر منحصر رہیگی[1]

اس شرط کو منظور کر لینے کے بعد یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ برار کے خزانہ سے جہانتک ممکن ہوگا نظام کو بچت کا ایک پیسہ نہیں دیا جائے گا۔ معاہدہ طے ہوتے ہی دوسرے سال سے کنٹیجنٹ کے اخراجات تقریباً دوگنے کر دیئے گئے ڈلہوزی کے زمانہ میں سے صرف ۳۸ لاکھ سالانہ خرچ کئے جاتے تھے اب ان کو بڑھا کر ۴۳ لاکھ کر دیا گیا (حالانکہ سنہ ۱۸۵۳ء اور سنہ ۱۸۶۰ء کے درمیان ۲۴ لاکھ سے زیادہ نہ تھے) نظم ونسق کے مصارف ۲۵ فی صدی سے بڑھکر ۳۳ فی صدی ہوئے، پھر ۵۰ فیصدی اور آخر ۵۶ فی صدی تک ان کو پہنچا دیا گیا۔ ۰۰۰ ۷ ا مربع میل رقبہ اور ۲۸۹۰۰۰۰ کی آبادی رکھنے والے صوبہ کا عملہ اس زمانہ میں صوبہ مدراس کے برابر تھا جسکی آبادی ۳ کروڑ ۲ ۸ لاکھ تھی اور جس کے حدود ڈیڑھ لاکھ مربع میل پر محیط تھے اس چھوٹے سے صوبہ کو ۶ اضلاع پر تقسیم کیا گیا تھا اور ہر ضلع میں ایک کلکٹر ۵ امدادگار اور ۲۰ زائد مددگار رکھے گئے تھے اور اسی نسبت سے دوسرے محکموں میں بھی انتہا درجہ کی دریادلی کے ساتھ فضول عملہ رکھا گیا تھا جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ یار وفادار کو اس وقت تک ایک پیسہ نہ ملے جبتک وہ اپنے ملک کو کمشنری ناگپور سے ملحق کرنے پر راضی نہ ہو جائے۔

برار کی آمدنی سنہ ۱۸۶۰ء تک ۳۲ لاکھ تھی دوسرے سال ۴۰ لاکھ ہوگئی

---

[1] Aitchison Vol. IX P. 105.

۱۸۷۰ء میں ۳۷ لاکھ ہوئی اور ۱۸۹۵ء میں ایک کروڑ تک پہنچ گئی لیکن اتنی حیرت انگیز توفیر کے باوجود ۱۸۶۰ء سے ۱۹۰۰ء تک جو بجٹ کی رقم سرکار نظام کے لئے نکالی گئی اس کا اوسط ۹ لاکھ سے زیادہ کبھی نہ بڑھا بلکہ ۱۸۹۲ء اور ۱۸۹۷ء کے درمیان تو صرف ۷ لاکھ کا اوسط رہا اور ۱۸۹۵ء میں ایک پائی کی بھی بجٹ نہ نکالی گئی۔ پھر مزید یہ کہ برار کی آمدنی میں ۵۰ لاکھ کی ایک رقم خطیر اتفاقی ضروریات کے لئے محفوظ بھی کرلی گئی حالانکہ اسے ملک کے اصل مالک کے خزانہ میں پہنچنا چاہئے تھا۔

۱۸۹۷ء میں جب برار کی نئی جمعبندی ہونے والی تھی اور یہ امید تھی کہ اس میں اس صوبہ کی آمدنی ایک کروڑ ۱۶ لاکھ ہوجائیگی تو یہ تجویز پیش کیگئی کہ کنٹنجنٹ کے مصارف ۳۵ لاکھ اور نظم ونسق کے مصارف ۵۰ لاکھ رکھ کر سرکار نظام کیلئے ۳۱ لاکھ کی بجٹ نکالی جائے لیکن اس تجویز کو انگریزی حکومت کے سرکاری حلقوں میں سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا اور یہ تجویز جہاں سے نکلی تھی وہیں دفن ہوگئی۔

ان پیہم حق تلفیوں پر جب سرکار نظام کی طرف سے شکایت کیگئی تو مئی ۱۸۹۹ء لارڈ جارج ہیملٹن (وزیر ہند) نے اس طرف توجہ کی اور حکومت ہند کو لکھا کہ

"میں اس صورت حال کو قابل اطمینان نہیں سمجھ سکتا اور یور اکسلنسی کی حکومت کی خاص توجہ کے لئے اس معاملہ کو بدیں غرض پیش کرتا ہوں کہ کفایت شعاری کی ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جو برار کی مالی پوزیشن کو ایسی بنیاد پر قائم کرنے کے لئے قابل عمل پائی جائیں جس سے

نظام کو ادا کرنے کے لئے مخارج پر مداخل کی کافی زیادتی نکل آئے۔

اس کے جواب میں حیدرآباد کے رزیڈنٹ نے ایک طویل رپورٹ بھیجی جس کا خلاصہ یہ ہے :-

"دونوں حکومتوں کے مفاد کا تقاضہ یہ ہے کہ ان شرائط پر از سر نو غور کیا جائے جن کے ماتحت برار کا موجودہ انتظام ہو رہا ہے تاکہ ہزہائی نس نظام کو ان کے ان اضلاع سے جو ہماری تفویض ہیں اس سے زیادہ باقاعدہ اور معین آمدنی دی جائے، جتنی موجودہ معاہدہ کے ماتحت دیجانی ممکن ہے اس معاملہ میں معاہدہ کی شرائط کی پوری پابندی کی گئی ہے مگر معاہدہ خود ہی ایسا ہے کہ نظم و نسق میں کسی کفایت شعاری کا موقع نہیں دیتا اور زیادہ بچت نکالنے سے روکتا ہے۔ اب تک بڑی سے بڑی رقم جو کسی ایک سال میں ہزہائی نس کو دی گئی ہے وہ ۱۸۷۷-۹۶ء میں ۱۹،۷۳۰۰۰ کی رقم تھی چند سال ایسے بھی گذرے ہیں جن میں کوئی بچت ہی نہیں نکلی۔ اوسطاً ۱۸۶۰ء سے ۱۹۰۰ء تک قریب قریب ۹ لاکھ روپیہ سالانہ کی رقم سرکار نظام کو دی گئی ہے۔ زیادہ قریبی زمانہ میں تو ایسے حالات پیش آگئے ہیں کہ آئندہ چند سال کے لئے بچت نکالنے کا موقع ہی نہیں رہا بہرحال صاف ظاہر ہے کہ چالیس سال سے برار ریاست حیدرآباد کے لئے محض ایک غیر معین اور گھٹتی بڑھتی آمدنی کا ذریعہ رہا ہے اور موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے اس صورت حال میں کسی قسم کا تغیر ہونے کی کوئی امید نہیں ہے۔"

دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر نظام ۱۸۶۰ء کے معاہدہ کو بدل کر حکومت ہند کی مرضی کے مطابق دوسرے انتظام کرنے پر راضی نہ ہو گئے تو جس طرح چالیس سال سے ان کو غیر معین اور گھٹتی بڑھتی" آمدنی ملتی رہی ہے اسی طرح آئندہ بھی بس ایسی ہی ملتی رہیگی بلکہ آئندہ اتنی بھی ملنے کی امید نہیں ہے! ایک طرف قحط کے باعث سرکار نظام کی مالی حالت حد درجہ خراب ہو رہی تھی، آمدنی کی کمی اور خرچ کی زیادتی نے اسکو سخت پریشانی میں مبتلا کر رکھا تھا اور اسے ۲ کروڑ کے قریب قرض لینا پڑا تھا دوسری طرف وہ پرانا دوست جسکی مدد کے لئے نواب میر محبوب علی خاں مرحوم نے ۶۰ لاکھ روپیہ کی رقم اپنی رعایا کی اور بوقت ضرورت خود اپنی جسمانی خدمات کے ساتھ پیش کی تھی، ان سے یہ کہہ رہا تھا کہ میں تمہارے ملک کے سب سے زیادہ زرخیز صوبہ سے تم کو اس شدید ضرورت کے موقع پر اس وقت تک ایک پیسہ نہ دوں گا جب تک تم میری ان شرائط کو نہ مان لو گے جنہیں تمہارے والد نے چالیس سال پہلے نامنظور کیا تھا اس سے زیادہ احسان شناسی شرافت اور آدمیت اور کیا ہو سکتی تھی؟ پہلے یہی اخلاقی فضیلت دوست پر فوجی حملہ کی دھمکی کی صورت میں ظاہر کی گئی تھی۔ اب زمانہ بدل چکا تھا اس لئے وہی چیز اس شکل میں ظاہر ہوئی کہ دوست کو شدید مالی مشکلات میں مبتلا کر کے اپنی شرائط ماننے پر مجبور کیا گیا۔

یہ نازک حالت تھی جس میں برار کی آمدنی کے مسئلہ کو طے کرنے کیلئے سرکار نظام نے ۱۹۰۱ء میں گفت و شنید کا سلسلہ شروع کیا جو چند مہینے تک

چلتا رہا۔ آخر ۱۹۰۲ء کے اوائل میں لارڈ کرزن نے خود حیدر آباد جا کر اسکو طے کرنے کا قصد کیا اور ۳۰ مارچ کو اعلیٰ حضرت مرحوم سے وہ تاریخی ملاقات کی جس کا نتیجہ ایک سمجھوتہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس سفر کا مقصد خود لارڈ کرزن ہی نے اپنے ۱۳ نومبر ۱۹۰۲ء کے ایک مراسلہ میں اس طرح بیان کیا ہے:۔

امتداد زمانہ سے یہ (۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے) طے کئے ہوئے معاملات غیر مناسب بھی ہو گئے تھے اور فرسودہ بھی اور اس کے ساتھ ہی کبھی کبھی نزاعات بھی پیدا کرتے رہتے تھے ...... گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب موجود الوقت انتظام کی خرابی یہ تھی کہ معاہدات کے ماتحت صوبہ کا فوجی و دیوانی نظم و نسق ناقص اور مسرفانہ تھا اور ہز ہائی نس کی جانب تغیر کی خواہش فاضل باقیات کی اس غیر معین اور ناپائدار حالت سے پیدا ہوئی تھی جسکی بے ضابطگی اور پراگندگی ریاست کے مالیات میں بے ثباتی کا افسوسناک عنصر پیدا کر رہی تھی۔"

آگے چل کر لارڈ کرزن کہتا ہے کہ اس عقدہ کا حل اس نے یہ سوچا تھا کہ ان انتظامی دشواریوں کو ایسے طریقے سے دور کیا جائے جس سے "ہز ہائی نس نظام کو ان کی مملکت کے اس خطہ سے ایک معین آمدنی حاصل ہو سکے اور برار کی ۲۰ لاکھ آبادی کے لئے ان حالات اور مراتب کے استمرار کا اطمینان کر لیا جائے جن سے وہ خوشحالی کے بلند درجہ پر پہنچ گئے ہیں۔" ان حالات و مراتب کا استمرار دوسرے الفاظ میں برٹش گورنمنٹ کے

قبضہ و تصرف کا استمرار تھا۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھکر لارڈ کرزن نے گفت و شنید کا آغاز کیا اور اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ برٹش گورنمنٹ کا برار کا دوامی پٹہ اس شرط پر دیدیا جائے کہ وہ جس طرح چاہے اس کا انتظام کرے اور اسکے عوض ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ مستقل خراج سرکار کو دے اول اول اعلیٰحضرت مرحوم نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کیا اور برار کی واپسی پر زور دیا۔ مگر جب لارڈ کرزن نے انہیں یقین دلادیا کہ برار ہرگز واپس نہ کیا جائیگا اور ۱۸۶۰ء کی شرائط پر قائم رہنے سے وہ برار کی آمدنی کا بھی فائدہ نہ اٹھاسکیں گے تو مجبوراً انہوں نے لارڈ کرزن کی اس تجویز کو قبول کرلیا اور ۵ ؍ نومبر ۱۹۰۲ء کو فریقین کے درمیان ایک معاہدہ ہوگیا۔ جس کی دفعات حسب ذیل تھیں۔

دفعہ اول:۔ ہز ہائی نس نظام جن کے شاہی حقوق اضلاع مفوضہ برار از سر نو تسلیم کیے جاتے ہیں۔ ان اضلاع کو دوامی پٹہ پر برٹش گورنمنٹ کے حوالہ کرتے ہیں۔ جس کے عوض برٹش گورنمنٹ ان کو ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ کا معین اور مستقل خراج ادا کریگی۔

دفعہ دوم۔ حکومت برطانیہ اضلاع مفوضہ میں اس مکمل اور غیر مشترک فیہ واقتدار کو برقرار رکھتے ہوئے جو اسے ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے معاہدات کی روسے حاصل ہیں اس امر میں آزاد ہوگی کہ بلا لحاظ ان معاہدات کی خلاف ورزی کے اضلاع مفوضہ کا ایسے طریقے سے انتظام کرے

جسے وہ پسند کرتی ہو نیز یہ کہ ان افواج کو جو حیدرآباد کنٹنجنٹ کے نام سے
قائم ہیں جس طرح مناسب سمجھے از سر نو تقسیم کرے تخفیف کرے تنظیم کرے اور
نگرانی کرے البتہ ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی دفعہ ۳ میں ہز ہائی نس کے متقبوضات کی
حفاظت کا جو اقرار اس نے کیا ہے اسے جیسا کہ واجب ہے پورا کرنے کا بندوبست کردے"[1]

اس مختصر سے معاہدہ کے ذریعہ لارڈ کرزن نے صرف یہی فائدہ نہیں اٹھایا کہ برار کا دوامی پٹہ حاصل کرلیا جو پچاس سال پہلے باوجود "دھمکیوں اور بھبکیوں" (Oburgations & Threats) حاصل نہ ہو سکا تھا۔ بلکہ برار کو ناگپور کی کمشنری سے ملحق کر کے ایک صوبہ متوسط بنانے کی تمنا بھی پوری کرلی جسے ۱۸۶۰ء میں نواب افضل الدولہ نے رد کر دیا تھا اور حیدرآباد کنٹنجنٹ کو توڑ دینے کا بھی اختیار حاصل کرلیا حالانکہ اسی فوج کی خاطر صوبہ برار سرکار نظام سے حاصل کیا گیا تھا اور اس فوج کو توڑ دینے کے بعد اس صوبہ پر انگریزی قبضہ رہنے کی کوئی معقول کیا معنی نامعقول وجہ بھی نہ تھی ایسے عظیم فوائد کے مقابلہ میں انگریزی حکومت نے صرف ۲۵ لاکھ سالانہ کی رقم پیش کی اور وہ بھی اس شرط کیساتھ کہ اسمیں سے بیس سال تک ۱۰ لاکھ روپیہ سالانہ برار کے قرضوں (Berar loan) میں اور ایک غیر متعین مدت تک ساڑھے آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ حیدرآباد کے قرضوں (Hyderabad loan) میں وضع کیا جاتا رہے گا اور سرکار نظام کو ان سب سے زیادہ زرخیز صوبہ سے صرف ساڑھے چھ لاکھ روپیہ سالانہ ملے گا۔ بعد میں سرکار نظام کی درخواست پر اس شرط میں

---

[1] Aitchisons Treaties IX P. 175.

تھوڑی سی ترمیم ہوگئی جس کے مطابق ایسا انتظام ہوگیا کہ ۲۵ لاکھ کی پوری رقم تیس سال بعد سرکار نظام کو ملنی شروع ہو جائے گی۔ چنانچہ ابھی اس وقت کے آنے میں چند سال باقی ہیں۔

یہ معاہدہ تو بیشک ہوا اور سرکار نظام نے اسکی تصدیق بھی کی لیکن سوال یہ ہے کہ قانونی حیثیت سے یہ کہاں تک ایک جائز معاہدہ تھا؟ اس کیلئے حسب ذیل امور قابل غور ہیں۔

(۱) اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں مرحوم برار کا دوامی پٹہ لکھنے کیلئے ہرگز تیار نہ تھے جس وقت یہ تجویز ان کے سامنے پیش کی گئی تو انہوں نے اور امراء و اعیان سلطنت کی کونسل نے بالاتفاق اس کی مخالفت کی اور ۳۰ مارچ ۱۹۰۲ء کو سب کے مشورہ سے اعلیٰ حضرت مرحوم کی جانب سے ایک خط لارڈ کرزن کے نام لکھا گیا جسے خود مرحوم اپنے ہاتھ سے پیش کرنیوالے تھے۔ اس خط میں لکھا تھا کہ:۔

"میں اس پرانے جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتا کہ استرداد برار کے لئے میرے حقوق کیا ہیں یا اس کے متعلق معاہدات اور دوسرے سرکاری عہود و مواثیق کے معنی کیا ہیں میں پورے بھروسہ کے ساتھ ان معاہدات کو یور ایکسلنسی کی توجہات کریمانہ و مشفقانہ پر چھوڑتا ہوں میں آپکے توسط سے ہز مجسٹی شہنشاہ معظم کی خدمت میں صرف یہ گذارش کروں گا کہ وہ لطف و کرم کی ایک خاص علامت کے طور پر برار واپس کردیں اور میں یہ اجازت چاہونگا کہ یور لارڈشپ کو اس معاملہ میں اپنا وکیل بناؤں میں پورا یقین رکھتا ہوں اور مجھے

کامل بھروسہ ہے کہ میری یہ گذارش ہزمیجسٹی کی تاج پوشی کے مبارک موقع پر رائیگاں نہ جائے گی۔"

(۲) اعلیٰ حضرت مرحوم اپنے اس مطالبہ سے ہٹکر دوامی پٹہ کی تجویز کو قبول کرنے پر صرف اس وقت راضی ہوئے جب لارڈ کرزن نے انکو پورے زور کے ساتھ یہ یقین دلادیا کہ پچھلے معاہدات کی رو سے انکو برار کی واپسی کا مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور اگر وہ ایسا کرینگے بھی تو اسے ہرگز نہ قبول کیا جائے گا۔ معاہدہ گفت وشنید کے متعلق لارڈ کرزن نے جو نوٹ لکھا تھا اس میں وہ خود کہتا ہے کہ :-

"میں جب سنا کہ ایسی صریح فائدہ مند شرائط ہز ہائی نس کو پسند نہیں آئیں تو مجھے سخت مایوسی ہوئی۔ اگر ان شرائط کو رد کر دیا گیا تو حکومت ہند پھر موجودہ پوزیشن کی طرف رجوع کریگی جس کے لئے کوئی مدت متعین نہیں ہے اور جسمیں ہم پچاس سال سے نسبتہً بہت کم مالی معاوضہ دیکر اس شے سے استفادہ کر رہے ہیں جو دراصل مقصود بالذات ہے اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی جسکی بناء پر مجھے موجودہ تجاویز کے ناکام ہونے پر افسوس کرنا چاہئیے اگر ان کو رد کردیا گیا تو یہ حد درجہ غیر متوقع ہے کہ میرے بعد آنیوالا کوئی وائسرائے اس سوال کو دوبارہ چھیڑیگا یا برطانیہ کی کوئی حکومت اپنی بات کو دوبارہ رد کرانا پسند کریگی۔ اس لئے ہز ہائی نس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئیے کہ تصفیہ کا جو موقع اب ان کو دیا جا رہا ہے اس کے دوبارہ پیش کئے جانے کی توقع نہیں ہوسکتی اور یہ کہ ایسی صورت میں معاملات کی موجودہ ترتیب

ہی ایک دائمی صورت اختیار کریگی۔

"مگر انہوں نے (یعنی نظام نے) یہ معلوم کرنے کی خواہش کی کہ آیا جدید تصفیہ میں انہیں آزادی باقی رہیگی کہ آئندہ کسی وقت وہ برار کی واپسی کا مطالبہ کریں؟ اس کا جواب میں نے یہ دیا کہ اگر برار دوامی پٹہ پر برٹش گورنمنٹ کو دیدیا گیا تو ہز ہائی نس کے لئے ایسی کوئی درخواست کرنے کا موقع نہ رہیگا کیونکہ اسوقت صوبہ کی قسمت کا فیصلہ پہلے ہی پٹہ کے ذریعہ ہو چکا ہوگا۔ پھر ہز ہائی نس نے پوچھا کہ آیا موجودہ حالات میں اس کا کوئی امکان ہے کہ برار ان کو واپس دیدیا جائے؟ میں نے جواب دیا کہ معاہدات میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس سے استرداد برار کا تصور کیا جاسکے یا جس سے حیدر آباد کو استرداد کا کوئی حق پہنچتا ہو ...... برٹش گورنمنٹ کیلئے مجوزہ شرائط کا بدل اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اس دوامی تفویض پر قائم رہے جو پہلے ہی سے از روئے معاہدات اس کو حاصل ہے تب ہز ہائی نس نے کہا کہ اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھے برار واپس ملنے کا اب کوئی امکان نہیں ہے لہذا مجھے مجوزہ دوامی پٹہ لکھ دینے میں کوئی تامل نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ریاست کے مفاد کے لئے زیادہ اچھا ہے اب تک میں اسکو صرف اس لئے نامنظور کر رہا تھا کہ میں یہ نہیں سمجھا تھا کہ آئندہ مجھے برار واپس ملنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

خود اعلیٰ حضرت مرحوم نے بھی اس ملاقات کی کیفیت لکھتے ہوے اپنے نوٹ میں صاف لکھا ہے کہ:۔

وائسرائے نے مجھ سے دوبارہ سہ بارہ کہا کہ برار کبھی واپس نہیں دیا جاسکتا ہز اکسلنسی نے کہا کہ میں یور ہائی نس کو کسی غلط امید میں نہیں رکھنا چاہتا

میں بالکل صفائی کے ساتھ کہتا ہوں کہ محض میری ہی نہیں بلکہ تمام وائسرایوں کی جو میرے بعد آئیں گے یہی پالیسی ہوگی، اور انگلستان میں بھی حکومت کی یہی پالیسی ہوگی جو کہ برار کبھی کسی زمانہ میں واپس نہ کیا جائے۔" وائسرائے کی باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ گذشتہ ۲۵ سال کے درمیان برار کی واپسی کے متعلق کوئی گفتگو نہیں کی گئی اس لئے اب یہ ہمارے لئے ناممکن ہے کہ اسے واپس حاصل کر سکیں اور اب ہمیں اسکی واپسی کی کوئی امید نہ کرنی چاہیئے ہز اکسلنسی نے بیان کیا کہ اگر موجودہ صورت حال برقرار رکھی گئی تو اس سے آپ کو کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا، جب برار کو واپس کرنا ناممکن ہے تو موجودہ حالت کو برقرار رکھنا خلاف عقل ہے اس سے بہتر ہے کہ اس کو پٹہ پر دیدیا جائے اور اس کے عوض سال بہ سال روپیہ لے لیا جائے۔" تاہم میں نے کوشش کی جہاں تک میں کرسکتا تھا کہ واپسی پر اصرار کروں مگر وائسرائے کے جوابوں کا انداز دیکھکر مجھے یقین ہوگیا کہ وہ ہمکو برار واپس نہیں دینگے۔ یہ پچھلی غلطیوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم کو اس صوبہ سے ہاتھ دھونا پڑا، اس وقت میں یہ کہنے پر مجبور ہوگیا کہ اگر یہ صورت ہے تو اسے پٹہ پر لے لیجئے۔

فریقین کے ان بیانات کو پڑھ لینے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وائسرائے نے ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے معاہدات کی یہ تعبیر کی کہ ان سے برٹش گورنمنٹ کو برار کی دوامی تفویض (Perpetual assignment) پہلے سے حاصل ہے اور نظام کا حق استرداد ان معاہدات کی رو سے کلیتہً زائل ہو چکا ہے۔ اگر وائسرائے سابقہ معاہدات کی یہ تعبیر کرکے اعلیٰحضرت مرحوم کو یہ قطعی یقین نہ

ولا دیتا کہ برار کے واپس دیئے جانے کا کوئی امکان نہیں ہے تو خود وائسرائے کے اپنے اعتراف کے مطابق اعلیٰحضرت مرحوم دوامی پٹہ کو ہرگز قبول نہ کرتے۔

(۳) سابقہ معاہدات اور حکومت برطانیہ کی سرکاری تصریحات کو دیکھتے ہوئے یہ امر بالکل یقینی ہے کہ وائسرائے کی یہ تعبیر بالکل غلط اور سراسر خلاف واقعہ تھی۔ تفویض برار کے پہلے معاہدہ کے وقت حکومت ہند کے وکیل مختار کرنل لو نے نواب ناصر الدولہ مرحوم کو یہ یقین دلایا تھا کہ :-

"اگر ہز ہائی نس چاہتے ہیں تو یہ اضلاع کنٹجنٹ کی پرورش کی غرض سے محض اسوقت تک کے لئے تفویض کئے جا سکتے ہیں جبتک انہیں اسکی ضرورت ہے۔ . . . . جب (ہز ہائی نس کے خواہش کرنے پر) یہ ساری فوج توڑ دی جائے گی جس میں چند ہی سال کی مدت صرف ہوگی تو نظام ان اضلاع کو اپنے انتظام میں واپس لے سکتے ہیں۔"[۱]

اس کے بعد ۵ ستمبر ۱۸۶۰ء کو حکومت ہند کی جانب سے یہ یقین دلایا گیا کہ :-

"مفوضہ اضلاع کے ایک حصہ کو اپنے ہاتھ میں رکھنے سے حکومت ہند کا مقصد صرف یہ ہے کہ ۱۸۵۳ء کے معاہدہ کی دفعہ ششم کی شرائط کو پورا کرنے کیلئے وہ ایک مادی ضمانت اپنے پاس رکھے گورنمنٹ آف انڈیا نے جس طرح ابتک تمام اضلاع مفوضہ کو اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اسی طرح اب بھی وہ اس علاقہ کو اپنی ملکیت میں نہیں بلکہ ہز ہائی نس کی طرف سے اپنی "امانت" میں (Interest) صرف اس وقت تک کیلئے رکھنا چاہتی ہے جبتک

---

[۱] دیکھو کرنل لو کا مراسلہ مورخہ ۲۴ مئی ۱۸۵۳ء نمبر ۱۷، صیغۂ خارجہ

کنٹیجنٹ رکھی جائے اس سے زیادہ عرصہ کے لئے وہ نہیں رکھنا چاہتی...

.....اور یہ واقعہ ہے کہ ہز ہائی نس نے مقبوضات کے اس حصہ کا انتقال محض عارضی (Temporary only) ہے... جب کبھی اضلاع زیر بحث نظام کو واپس کئے جائیں گے تو ہز ہائی نس ان تمام فوائد سے متمتع ہو سکیں گے جو برطانی افسروں کے زیر انتظام رہنے کے زمانہ کی ترقیات سے ممکن ہے کہ آئندہ پیدا ہوں"[1]

اس کے بعد ۲۶ دسمبر ۱۸۶۰ء کو دونوں سلطنتوں کے درمیان جو معاہدہ ہوا اسکی دفعہ ۶ میں لصراحت یہ لکھا گیا تھا کہ

"اضلاع واقع برار جو پہلے ہی معاہدہ ۱۸۵۳ء کے ماتحت برٹش گورنمنٹ کو تفویض کئے جا چکے ہیں مع ان تعلقات صرفخاص کے جو ان میں واقع ہیں اور مع ان مزید اضلاع متصلہ کے جو بحالت موجودہ ۳۲ لاکھ روپیہ سکہ حکومت برطانیہ کی سالانہ آمدنی دینے کے لئے کافی ہوں۔ برٹش گورنمنٹ کے پاس امانت میں (Interest) رہیں گے تا کہ ان سے حیدرآباد کنٹیجنٹ کی تنخواہیں اور آبادیلسیائی کی چوتھ، جسیت رام کے خاندان کا سالیانہ اور چند دوسری پنشنیں جن کا ذکر عہدنامہ مذکور کی دفعہ ششم میں کیا گیا ہے، ادا کی جائیں"[2]

اس کے بعد ۵ جنوری ۱۸۶۱ء کو لارڈ کیننگ (وائسرائے) نے سر چارلس ووڈ (وزیر ہند) کو جو مراسلہ بھیجا تھا اس میں وہ ۱۸۶۰ء کے معاہدہ کی تشریح ان الفاظ میں کرتا ہے۔

---

[1] دیکھو مسٹر بنگ ڈپٹی سکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا کا مراسلہ نمبر ۳۸۸۹ صیغۂ خارجہ

[2] ایچی سن جلد ۹ صفحہ ۱۰۶

"نظام کو بتایا گیا کہ حکومت ہند اضلاع مفوضہ کو اپنی ملکیت میں نہیں بلکہ اپنی "امانت" میں رکھنا چاہتی ہے اور صرف اس وقت تک رکھنا چاہتی ہے۔ جب تک کہ کنٹیجنٹ رکھی جائے نہ کہ اس سے زیادہ ...... ان سے کہا گیا کہ اضلاع برار اب بھی ہز ہائی نس کے مقبوضات کا ایک غیر منفک جز ہیں۔ اور وہ ان کو اس وقت یہ تمام ہا واپس کر دیئے جائیں گے جب دونوں حکومتوں کو یہ مناسب معلوم ہوگا کہ اس قرار دادوں کو بدل دیں جنکے ماتحت کنٹیجنٹ رکھی گئی ہے"[1]

اس کے بعد سر سالار جنگ کے پیہم مطالبات کے جواب میں ۲۸ مارچ ۱۸۷۸ء کو جو "آخری اور قطعی" فیصلہ لارڈ سالسبری نے وزیر ہند ہونے کی حیثیت سے صادر کیا تھا، اس میں بھی یہ تصریح موجود تھی کہ:-

"یہ بالکل ظاہر ہے کہ معاہدہ میں برار کو قطعی طور پر حوالہ نہیں کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ لارڈ ڈلہوزی ایسا ہی انتظام چاہتے تھے مگر اس پر نظام کو ایسے اعتراضات تھے جنکو ان کے ذہن سے دور نہیں کیا جاسکتا تھا اور اسے قبول کرنے پر نہیں مجبور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ اگر تفویض قطعی ہوتی تو ملکیت یہ تمام ہا تاج برطانیہ کی طرف منتقل ہو جاتی مگر کوئی انتقال ملکیت وقوع پذیر نہیں ہوا بلکہ یہ علاقہ نظام کے مقبوضات میں اسی طرح شامل رہا جسطرح معاہدہ پر دستخط ہونے سے پہلے تھا..... اگر ہز ہائی نس (جو اسوقت تک سن بلوغ کو نہ پہونچے تھے) امور سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد یہ یہ خواہش کرینگے کہ ان تمام معاملات پر جو دولتین کے درمیان از روئے معاہدہ

---

[1] دیکھو لارڈ کیننگ کا مراسلہ نمبر ۴ صیغہ خارجہ

طے ہوئے ہیں ایک عام نظر ثانی کی جائے تو برٹش گورنمنٹ ہزہائینس کی اس درخواست پر غور کرے گی۔"

یہ تمام سرکاری تحریرات اس امر کو ثابت کرتی ہیں کہ برار کی تفویض "دوامی" (Perpetual) نہیں تھی جیسا کہ لارڈ کرزن نے اسکو ۱۹۰۲ء میں ظاہر کیا بلکہ "عارضی" (Temporary) تھی جیسا کہ ۱۸۵۳ء سے ۱۸۷۰ء تک ریذیڈنٹ سے لیکر وزیر ہند تک تمام ذمہ دار افسران متعلق اظہار و اعلان کرتے رہے تھے۔ یہ دستاویزات لارڈ کرزن کی اس تعبیر کو بھی بالکل غلط ثابت کرتی ہیں کہ "معاہدات میں حضور نظام کے لئے استرداد برار کا کوئی حق محفوظ نہیں رکھا گیا ہے۔" برعکس اس کے خود وہ وائسرائے جس نے ۱۸۶۰ء کا معاہدہ طے کیا تھا اپنے معاہدہ کی یہ تعبیر کرتا ہے کہ برار کی تفویض ایک امانت (Trust) کے طور پر تھی اور کنٹیجنٹ کی برطرفی کے بعد اسکو ایک لمحہ کے لئے بھی باقی نہیں رہنا تھا۔ لارڈ کرزن نے معاہدات کی یہ تعبیر کی کہ ان کے ماتحت صرف دو ہی صورتوں پر عمل کیا جاسکتا تھا ایک یہ کہ برار کا دوامی پٹہ لکھدیا جاتا اور دوسرے یہ کہ تفویض کی موجودالوقت صورت کو دواماً جاری رکھا جاتا۔ اسکے سوا تیسری صورت کو اس نے ناممکن قرار دیا۔ حالانکہ کرنل لو اور لارڈ کیننگ جو ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے معاہدوں کے اصلی بانی تھے انہوں نے صراحت کیساتھ تیسری صورت یعنی برار کی واپسی کا نہ صرف امکان ظاہر کیا تھا بلکہ ان کے نزدیک عارضی تفویض کو برار کی واپسی ہی پر ختم ہونا چاہئے تھا اس معاملہ میں لارڈ کرزن نے ۱۸۶۰ء کے معاہدہ کی بھی کھلی ہوئی معنوی تحریف کی جس کے اندر بالفاظ صریح یہ لکھا تھا کہ

برار کی تفویض "امانت" (Trust) کے طور پر ہے اور لارڈ سالبسری کے صریح وعدہ کو بھی پس پشت ڈالدیا جس میں سرکار نظام کو یقین دلایا گیا تھا کہ اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں جب سن بلوغ کو پہونچکر بذات خود عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں گے تو انہیں برار کی واپسی کے مسئلہ کو از سر نو چھیڑنے کا حق ہوگا۔ ان تمام سرکاری شہادتوں کے خلاف لارڈ کرزن نے معاہدات کی غلط تعبیر کرکے اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں مرحوم کو صریح دھوکا دیا اور ایک غلط اور ناجائز اثر ڈالکر انہیں دوامی پٹہ کو قبول کرنے پر مجبور کیا۔

(۴) تفویض برار کی اصلی علت یہ تھی کہ کنٹنجنٹ کی پرورش کیلئے برٹش گورنمنٹ کو بقول لارڈ کیننگ کے ایک مادی ضمانت (Material Guarantee) اور بقول سالبری کے ایک ارضی ضمانت (Territorial Guarantee) کی ضرورت تھی، اول اول جب اس کا مطالبہ کیا گیا تھا تو یہی کہا گیا تھا کہ چونکہ کنٹنجنٹ کی تنخواہیں ٹھیک وقت پر باقاعدگی کے ساتھ نہیں ملتیں اسلئے ہمارے ہاتھ میں ایک مستقل ذریعہ آمدنی (Permanent Source of Income) ایسا رہنا چاہئے جس سے ہم اس ذمہ داری کو ادا کرسکیں چنانچہ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کی دفعات نمبر ۶ میں اس تفویض کی اصلی غرض اسی کو بیان کیا گیا تھا اور دونوں معاہدات کی ترتیب کے وقت یہ یقین دلایا گیا تھا کہ جب کنٹنجنٹ کی ضرورت باقی نہ رہے گی تو تفویض منسوخ ہوکر ملک اس کے اصلی مالک کو واپس کردیا جائیگا۔ کرنل لو نے ۱۸۵۳ء میں کہا تھا کہ "جب یہ ساری فوج توڑ دی جائے گی جس میں چند ہی سال کی مدت صرف ہوگی تو

نظام ان اضلاع کو لے سکتے ہیں۔

۱۸۶۰ء میں لارڈ کیننگ نے کہا تھا کہ :۔

"وہ (یعنی اضلاع برار) نظام کو اس وقت یہ تمام واپس کر دیئے جائیں گے جب دونوں حکومتوں کو یہ مناسب معلوم ہوگا کہ ان قراردادوں کو بدل دیں جن کے ماتحت کنٹیجنٹ رکھی گئی ہے"۔

ان سرکاری تصریحات کے مطابق یہ ضروری تھا کہ جب کنٹیجنٹ کے برطرف کر دینے پر دونوں حکومتوں کے درمیان اتفاق ہو جاتا تو وہ ملک جو کنٹیجنٹ کی تنخواہوں کے لئے لیا گیا تھا واپس کر دیا جاتا لیکن لارڈ کرزن نے معاہدات کے اسپرٹ اور الفاظ دونوں کے خلاف یہ کیا کہ جب دونوں سلطنتوں کے درمیان کنٹیجنٹ کے برطرف کرنے پر اتفاق ہو گیا تو کنٹیجنٹ کو تو توڑ دیا مگر ملک کو جو کنٹیجنٹ کی خاطر "ضمانت" میں لیا گیا تھا واپس کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ لارڈ کرزن خود اپنے نوٹ میں لکھتا ہے کہ :۔

"حیدرآباد کنٹیجنٹ جیسی کہ وہ اس وقت معاہدات کے ماتحت قائم ہے ایک فضول خرچ اور ناقابل اطمینان شے ہے حیدرآباد کے علاقہ میں جو فوجیں مقیم ہیں وہ جدید ضروریات سے بالکل زائد ہیں اور ان کا اس نام سے باقی رہنا ہز ہائی نس کیلئے نفرت انگیز بھی ہے اور بے موقع بھی"۔

۹۰ برس کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ کنٹیجنٹ کو "فضول خرچ" "ناقابل اطمینان" "زائد از ضرورت" "نفرت انگیز" اور "بے موقع" تسلیم کیا گیا اور اسکے توڑ دینے پر سرکار نظام اور سرکار انگریزی کے درمیان اتفاق رائے ہو گیا۔ اس اتفاق رائے

سے اضلاع برار کو یہ تمام و اپس کر دینے کے لئے وہ شرط پوری ہو چکی تھی جو ۱۸۶۰ء میں لارڈ کیننگ نے مقرر کی تھی۔ مگر لارڈ کرزن نے عقل، منطق، معاہدات اور مواعید سب کے خلاف علت کو فوت کرنے کے بعد بھی معلول کو برقرار رکھا اور کنٹجنٹ کو توڑ دینے کے باوجود ملک کو اپنے قبضہ میں رکھنے پر اصرار کیا حالانکہ اب سرکار نظام کی طرف سے انگریزی حکومت پر کوئی ایسی ذمہ داری باقی نہ تھی جس کو ادا کرنے کے لئے کل ممالک محروسہ کا تیسرا حصہ اس کو دینے کی ضرورت باقی رہتی۔

یہ امور ایسے ہیں کہ جن کی بناء پر ۱۹۰۲ء کا یہ معاہدہ قطعاً ناجائز قرار پاتا ہے اور اسکی حیثیت اسکے سوا کچھ نہیں رہتی کہ سلطنت برطانیہ کے وائسرائے نے اپنے وفادار دوست کو دھوکہ دیکر اور غلط باتیں باور کرا کے لاعلمی کی حالت میں ایسی دستاویز پر دستخط حاصل کر لئے جسپر خود وائسرائے کے اپنے اعتراف کے مطابق وہ ہرگز دستخط نہ کرتا اگر ان معاہدات کے اصلی معانی سے باخبر ہونے دیا جاتا، لارڈ کرزن نے قصداً اعلیٰ حضرت مرحوم سے تنہائی میں یہ معاملہ طے کیا مدارالمہام یا کسی اور واقف کار و معاملہ فہم مشیر تک کو ساتھ رکھنے کی اجازت نہ دی اور ان کو ناواقفیت میں بزور و بہ اصرار غلط باتوں کا یقین دلا کر انکے آبائی ملک کا سب سے زیادہ زرخیز حصہ ہمیشہ کے لئے ان سے حاصل کر لیا۔

یہ سلوک تھا سلطنت برطانیہ کا اپنے دوست کے ساتھ جس نے چند سال پہلے جوش وفاداری میں ۶۰ لاکھ روپیہ اسکی اعانت کیلئے پیش کیا تھا ممکن ہے کہ وفاداری کی قدرشناسی کا یہی وہ طریقہ ہو جسپر برطانی قوم فخر کرتی ہے،

اعلیٰحضرت میر عثمان علیخان بہادر کا دَور

۱۹۱۱ء میں اعلیٰحضرت میر محبوب علی خاں مرحوم کا انتقال ہوا اور ان کی جگہ فرمانروائے حال اعلیٰحضرت میر عثمان علیخاں بہادر مسند آرائے سلطنت ہوئے آپکے زمام امور ہاتھ میں لینے کے تین ہی سال بعد وہ جنگ عظیم برپا ہوئی کہ جسمیں انگریزی حکومت کیلئے زندگی اور موت کا سوال درپیش ہوگیا۔ اس نازک وقت میں مسلمانوں کیلئے سلطنت برطانیہ کا وفادار رہنا سب سے زیادہ مشکل تھا، کیونکہ دنیا کی سب سے بڑی اسلامی سلطنت جس کے بادشاہ کو تمام مسلمان اپنا امام سمجھتے تھے برطانیہ کے خلاف برسر پیکار تھی اور وہ ممالک اعمال جنگ کی زد میں تھے جن کی تنظیم و تکریم ہر مسلمان کا جزو ایمان تھی لیکن اس موقع پر اعلیٰحضرت میر عثمان علیخاں بہادر نے سلطنت برطانیہ کے ساتھ وہ وفاداری برتی جو اس سلطنت کے تمام دوستوں کی وفاداری سے زیادہ قیمتی اور خود اعلیٰحضرت کے پیشروؤں کی وفاداریوں پر بھی فائق تھی۔

ایک طرف حضور ممدوح نے اپنے اس اخلاقی و روحانی اثر کو استعمال کیا جو انہیں تمام ہندوستان کے مسلمانوں پر حاصل تھا، اور مسلمانوں کو پورے زور کے ساتھ تلقین کی کہ وہ سلطنت برطانیہ کے مواعید پر بھروسہ کرکے اسکی وفاداری پر ثابت قدم رہیں یہ اخلاقی امداد اس قدر موثر ثابت ہوئی کہ خود انگریزی سلطنت کے ارباب حل وعقد کو اعتراف ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے جن اثرات کے ماتحت جنگ میں سلطنت کی امداد کی ان میں سب سے زیادہ

حصہ اعلیحضرت نظام دکن کا تھا۔

دوسری طرف اعلیحضرت نے اپنی سلطنت کے تمام ذرائع دولت برطانیہ کیلئے وقف کردیئے اس سلسلہ میں انہوں نے جو خالص مالی امداد دی اس کی کیفیت ذیل کے اعداد سے ظاہر ہوتی ہے۔

قرضہ جنگ میں	۱۴۶۰۰۰۰۰
تکمیل جنگ کے لئے بطور امداد	۱۸۲۰۹۶۰۰
بیسویں دکن ہارس اور امپیریل سروس ٹروپس کے مصارف بحساب ۱۲ لاکھ روپیہ ماہانہ	۱۲۴۰۰۰۰۰
جنگ کو اختتام تک پہنچانے کے لئے خاص عطیہ	۱۵۰۰۰۰۰
تحت البحر کشتیوں کی مدافعت کے لئے	۱۵۰۰۰۰۰
شاہ وملکہ کے ازدواج کی ۲۵ سالہ یادگار کے موقع پر	۳۷۵۰۰۰
پرنس آف ویلز ریلیف فنڈ	۱۰۰۰۰۰۰
امپیریل ریلیف فنڈ	۱۰۰۰۰۰
متفرق اعانتیں	۱۳۴۶۰۰

اس کے علاوہ دوران جنگ میں سرکار عالی کے تمام کارخانے سامان حرب کی طیاری کے لئے وقف رہے اور چار سال کی مدت میں انہوں نے ۹ لاکھ روپیہ کا سامان سلطنت برطانیہ کیلئے مہیا کیا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی عزیز رعایا کو ہزاروں کی تعداد میں بھرتی کر کے میدان جنگ میں جانیں قربان کرنے کے لئے بھیجا آغاز جنگ سے اختتام تک دولت آصفیہ کی باضابطہ فوج جنگ کی عملی خدمات انجام

دیتی رہی اور اس کا خرچ سرکار نظام نے اپنے خزانہ سے دیا حکومت ہند کی شدید مالی مشکلات کے زمانہ میں ۵۰ لاکھ روپے کی چاندی کی اینٹیں مستعار دیکر اس کی مالی ساکھ کو بحال کیا اور اسی طرح کی بیش قیمت اور مخلصانہ اعانتوں کا سلسلہ برابر جاری رکھا یہاں تک کہ وہ زمانہ آگیا جب ایسی ہی دوستانہ اعانتوں کی بدولت یہ سخت وقت سلطنت برطانیہ سے ٹل گیا جس میں اس کا برباد ہوجانا کچھ مستبعد نہ تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ اعلیٰحضرت کو ان کے ان گراں قدر احسانات کا بدلہ کیا ملا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک زبانی جمع خرچ کا تعلق ہے بہت دل کھول کر احسان شناسی و اعتراف جمیل کا ثبوت دیا گیا۔ اعلیٰحضرت کو "ہز اگزالٹیڈ ہائی نس" کے خطاب سے سرفراز فرمایا گیا۔ انہیں یار وفادار سلطنت برطانیہ" (Faithfull ally of the British Govt.) کا لقب عطا کیا گیا۔ شہنشاہ معظم سے لیکر ولی عہد وائسرائے اور رزیڈنٹ تک سب نے متعدد مرتبہ ان کو بیش بہا خدمات پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے لیکن جب عملی احسان شناسی کا وقت آیا تو سلطنت برطانیہ کا رویہ یک سر مو بھی اسکی روایات قدیمہ کے خلاف نہ نکلا۔

اعلیٰحضرت کا مطالبہ استرداد برار

جنگ عظیم کے کامیاب اختتام کے بعد ہی ہندوستان میں ستیاگرہ، خلافت، اور ترک موالات کی تحریکیں شروع ہوگئیں، جنہوں نے کچھ عرصہ کیلئے عظیم الشان

برٹش انڈین امپائر کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا، ان نازک اور پیچیدہ سیاسی حالات میں اعلیحضرت نے اپنے حقوق طلب کر کے سلطنت برطانیہ کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کرنا اپنی خاندانی شرافت کے خلاف سمجھا اور صرف یہی نہیں کہ حق طلبی سے محترز رہے بلکہ ان وطنی اور اسلامی تحریکات میں بھی سلطنت برطانیہ کو اخلاقی امداد دیتے رہے اور اپنی ریاست میں تحریک خلافت تک کو بند کرا دیا جس کی بدولت اعلیحضرت کے متعلق ان کی ملت میں شدید بدگمانیاں پھیل گئیں۔

آخر جب یہ ہنگامہ و اضطراب کا دور ختم ہوا اور برٹش گورنمنٹ تمام اندرونی و بیرونی مشکلات سے نجات پاکر نسبتاً پرسکون حالت میں ہوگئی تو اعلیٰ حضرت میر عثمان علیخاں بہادر نے یہ مناسب سمجھا کہ اپنے کھوئے ہوئے صوبہ کی واپسی کا مطالبہ کریں۔ اس غرض کے لئے ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو حضور ممدوح نے لارڈ ریڈنگ کے نام ایک خط لکھا جس میں انہوں نے برار کے متعلق اپنے دعاوی وضاحت کے ساتھ پیش فرمائے اور اس کے ساتھ ایک میمورنڈم بھی منسلک کیا جو اعلیٰ حضرت کے دعاوی کے متعلق تمام دستاویزی شہادتوں پر مشتمل تھا۔ یہ خط جنوری ۱۹۲۴ء کے اواخر میں عام طور پر شایع ہو چکا ہے، اس لئے اسکو نقل کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے، البتہ اختصار کے ساتھ اسکے اصولی نکات ذیل میں درج کر دیئے جاتے ہیں۔

(۱) ۱۷۶۶ء میں پہلی مرتبہ برٹش گورنمنٹ نے دولت آصفیہ سے یہ عہد کیا تھا کہ وہ بوقت ضرورت اس کی فوجی امداد کرے گی اور دولت آصفیہ نے اس امداد کے معاوضہ میں شمالی سرکار کا علاقہ برٹش گورنمنٹ کے سپرد کیا تھا۔

(۲) ۱۷۹۸ء میں اسی فوجی امداد کے لئے ایک مستقل فوج حیدرآباد میں رکھی

گئی اور اس کے لئے ۰۰ ،۱۷ ،۲۴ روپیہ کا خرچ دولت آصفیہ کے ذمہ عائد کیا گیا۔

(۳) ۱۸۰۰ء میں اس امدادی فوج کی مصارف کے لئے دولت آصفیہ سے ایک دوسرا علاقہ لیا گیا جس کی آمدنی ۶۳ لاکھ روپیہ سالانہ تھی، اسوقت یہ عہد کیا گیا تھا کہ یہ امدادی فوج ان تمام قوتوں کے خلاف ہر وقت استعمال کیجا سکے گی جو دولت آصفیہ کے امن وسکون میں اندر سے یا باہر سے خلل انداز ہونگی۔ نیز اس کو ایسی حالت میں بھی استعمال کیا جاسکے گا جبکہ سرکار نظام کی رعایا میں سے کوئی اس کی اطاعت سے انحراف کریگا یا خراج ادا کرنے میں پہلو تہی کرے گا۔

(۴) اس معاہدہ کے بعد جب سرکار نظام کو اپنی باغی رعایا کی سرکوبی کیلئے فوجی امداد کی ضرورت ہوئی تو اس فوج کی خدمات دینے سے انکار کیا گیا جو ۶۳ لاکھ کا ملک لیکر اسی غرض کے لئے قائم کی گئی تھی۔ اور ایک دوسری فوج انہی خدمات کو انجام دینے کے لئے قائم کی گئی جس کے لئے مزید ۴۰ لاکھ روپیہ سالانہ کا خرچ نظام کے ذمہ عائد کیا گیا۔

(۵) اس جدید فوج کا قیام نہ کسی معاہدہ پر مبنی تھا نہ اس کیلئے سرکار نظام سے اجازت لیگئی اور نہ برٹش گورنمنٹ کے لئے یہ جائز تھا کہ ان خدمات کا معاوضہ دوبارہ وصول کرتی جن کا معاوضہ وہ پہلے وصول کر چکی تھی مگر صرف یہی نہیں کہ یہ معاوضہ وصول کیا گیا بلکہ سرکار نظام سے فوج کا خرچ وصول کرنیکے باوجود اس کے تمام انتظامات کلیتہً انگریزی رزیڈنٹ کے ہاتھ میں رکھے گئے۔

(۶) ۱۸۵۳ء میں اس فوج کے بقایا ۳۴ لاکھ روپیہ (کلدار) سرکار نظام کے ذمہ قرض کے طور پر نکالا گیا، حالانکہ ۵۱ سال تک برٹش گورنمنٹ سکندرآباد اور

جالنہ کی آبکاری کا محصول بلا کسی حق کے وصول کرتی رہی تھی اور ۳۰ سال تک اس نے امدادی فوج کو جس کا خرچ وہ پہلے وصول کر چکی تھی۔ مقررہ تعداد سے زائد از ۲۵ فیصدی کم تعداد میں رکھا تھا اگر دونوں سلطنتوں کے مطالبات کا باضابطہ محاسبہ کیا جاتا تو برٹش گورنمنٹ کے ذمہ خود سرکار نظام کا الٹا قرض نکل آتا۔ لیکن برٹش گورنمنٹ نے باوجود مبہم مطالبہ کے حساب فہمی کرنے سے اعتراض کیا اور اپنے ۴۳ لاکھ روپے کی کفالت اور آئیندہ کے لئے اس ناجائز فوج کے مصارف کی کفالت میں سرکار نظام سے اس کے ملک کا ایک اور حصہ طلب کیا۔

(۷) نظام اس مطالبہ کو تسلیم کرنے کے لئے راضی نہ تھے مگر کمپنی نے فوجی حملہ کی دھمکی دیکر اور یہ خوف دلا کر کہ ان کی جان اور انکی سلطنت کی بھی خیر نہیں ہے۔ انہیں اس پر راضی کیا اور اس طرح اضلاع برار، دوآبہ رائچور اور دھاراسیو کی تفویض عمل میں آئی۔

(۸) ۱۸۵۳ء کا معاہدہ اس صریح مفاہمت کے ساتھ ہوا تھا کہ اضلاع مفوضہ صرف اس وقت تک برٹش گورنمنٹ کے تصرف میں رہیں گے جب تک سرکار نظام کو کنٹنجنٹ کی ضرورت رہے گی اور یہ کہ جب سرکار نظام اس فوج کو توڑنے کی خواہش کریگی تو اسے توڑ دیا جائے گا اور ملک اس کے اصلی مالک کو واپس دیدیا جائیگا۔ ۱۸۶۰ء کے معاہدہ میں اسکی دوبارہ توثیق کی گئی۔

(۹) ۱۸۶۷ء میں جب سرکار نظام کی جانب سے کنٹنجنٹ کو توڑنے کی خواہش ظاہر کی گئی تو اور اضلاع مفوضہ واپس مانگے گئے تو انکا جواب یہ دیا گیا کہ فرمانروائے وقت کی نابالغی کے زمانہ میں ایسے مسائل پر بحث کرنا خالی از وقت نہیں ہے

(۱۰) جب فرمانروائے وقت نے خود عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو وائسرائے کی زبان سے ان کو پورے زور کے ساتھ یہ یقین دلایا گیا کہ برار کی تفویض عارضی نہیں بلکہ دائمی ہے۔ اسکی واپسی کا مطالبہ کرنیکا اب سرکار نظام کو کوئی حق باقی نہیں رہا اور اس امر کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے کہ برار کبھی واپس نہ دیا جائے گا یہ غلط امور تمام پچھلے عہود و مواثیق کے بالکل خلاف باور کرا کے سنہ ۱۹۰۲ء میں فرمانروائے وقت سے دوامی پٹہ حاصل کر لیا گیا، اگر ان کو یہ غلط باور نہ کرایا جاتا تو خود وائسرائے کے اپنے اعتراف کے مطابق وہ کبھی اس پٹہ کو منظور نہ کرتے۔

(۱۱) اگر بالفرض فرمانروائے وقت نے سنہ ۱۹۰۲ء کے تصفیہ کو برضا و رغبت قبول کیا تھا۔ تب بھی اس کا جواز مشتبہ ہے کیونکہ ایسا تصفیہ کرنا ان کے آئینی اختیارات سے باہر تھا اور ان حالات میں وہ اپنے ممالک کے کسی حصہ کو جو انکے پاس انکی رعیت اور ان کے جانشینوں کے لئے امانت کے طور پر تھا منتقل کر دینے کا کوئی حق نہ رکھتے تھے۔

(۱۲) جبکہ برٹش گورنمنٹ نے معاہدات کرتے وقت سرکار نظام کے لئے برار کے استرداد کا حق صاف طور پر تسلیم کر لیا تھا اور برار کی تفویض کنٹجنٹ کے بقا پر موقوف رکھی گئی تھی تو استحقاق پر بربنائے تصرف قدیم (Perscrition) کا قانوناً کوئی سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں جس معاملہ میں برطانیہ کی نیک نیتی کا سوال در پیش ہو اس میں تصرف قدیم کے استحقاق کو پیش کرنا کسی طرح موزوں نہیں ہے جب سنہ ۱۸۸۱ء میں میسور کی ریاست بحال کی گئی تھی تب بھی دیانت و انصاف کے مقابلہ میں تصرف قدیم کے استحقاق کو چھوڑ دیا گیا تھا۔

(۱۳) پٹہ پر کسی ملک کے دیئے جانے کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ وہ پٹہ دار کے املاک میں جذب ہو گیا۔ علی ہذا القیاس ملک برار کے پٹہ پر دیئے جانے سے یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ وہ ہندوستان کے سیاسی و دیوانی نظام میں جذب ہو جائے وہ اب بھی ریاست حیدرآباد کا ایک غیر منفک جزو ہے، مگر سنہ ۱۹۰۲ء سے اب تک جو سیاسی تغیرات ہوئے ہیں ان کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف مالی حیثیت سے اہل برار کی دولت غیر براریوں کے تصرف میں آ رہی ہے بلکہ جدید اصلاحات نے سیاسی حیثیت سے بھی ان کو باہر والوں کے تابع کر دیا ہے مثال کے طور پر صوبہ متوسط کی قانون ساز کونسل میں اپنی وہ کمی تعداد کی بناء پر ماتحت پوزیشن میں ہیں یا

ان وجوہ و دلائل کو پیش کر کے اعلیٰحضرت نے اپنے صوبہ کی واپسی کا مطالبہ کیا اور اس خیال سے کہ کہیں برطانی راج کی برکات سے اہل برار کے محروم ہو جانے کا پرانا عذر پھر نہ پیش کیا جائے، حضور ممدوح نے یہ بھی تصریح کر دی کہ وہ اہل برار کو حکومت میں اس سے زیادہ اشتراک عمل کا موقع دینگے جو اب تک برطانی راج میں ان کو حاصل رہا ہے اور ایک گورنر کے ماتحت ان کو ذمہ دار حکومت خود اختیاری دیکر داخلی نظم و نسق کے اعتبار سے بالکل آزاد کر دینگے۔

اعلیٰحضرت کے اس مدلل اور مدبرانہ خط پر دہلی اور لندن میں ڈیڑھ سال تک غور و خوض ہوتا رہا اور ۱۱ مارچ سنہ ۱۹۲۵ء کو لارڈ ریڈنگ کی طرف سے اس کا جواب ایک طویل خط میں دیا گیا۔ اس خط کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں بنیادی مسائل سے اعراض کرنے کی وہی پرانی پالیسی اختیار کیگئی تھی

جیسے لارڈ سالسبری نے سر سالار جنگ کے جواب میں اختیار کیا تھا مسئلہ برار میں سب سے پہلا اور اصولی سوال یہ ہے کہ آیا کنٹیجنٹ قائم کرنا اور اس کے مصارف کا بار سرکار نظام پر ڈالنا جائز تھا یا نہیں؟ اگر جائز نہ تھا تو وہ قرض جسکی بناء پر برار کی تفویض عمل میں لائی گئی، سرے سے بے بنیاد ہی ٹھہرتا ہے اور ساری عمارت پیوند خاک ہو جاتی ہے جس پر برٹش گورنمنٹ کا قبضہ برار قائم ہے اس اہم ترین بنیادی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے معاہدات کے معنی اور حدود پر بحث کرنا ناگزیر ہے لیکن سالسبری کی طرح لارڈ ریڈنگ نے بھی اس نکتہ کو ہاتھ تک نہیں لگایا اور اسے چھوڑ کر اس طرح گذر گئے کہ گویا یہ کوئی قابل اعتنا شے ہی نہیں ہے اسی طرح دوسرا اہم بنیادی نکتہ یہ تھا کہ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے معاہدات کی رو سے برار کی تفویض قطعی تھی یا عارضی؟ مطلق تھی یا مقید تھی؟ اگر عارضی اور مقید تھی تو یقیناً لارڈ کرزن نے اسکو قطعی اور مطلق قرار دیکر ان معاہدات کی غلط تعبیر کی اور اعلیٰحضرت میر محبوب علیخاں مرحوم کو دھوکا دیا لارڈ ریڈنگ کے جواب میں پہلے نکتہ کی طرح یہ نکتہ بھی چھوڑ تا رہا اور ان دونوں ابتدائی مراحل کو چھوڑ کر انہوں نے دفعتہً تیسرے اور آخری مرحلہ پر اپنا سارا وزن رکھدیا کیونکہ وہاں ان کو ذراسی پاؤں رکھنے کی جگہ ملتی تھی۔ ان کے سارے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ لارڈ کرزن اور فرمانروائے حیدرآباد کے درمیان ۱۹۰۲ء میں جو معاہدہ ہوا تھا وہ برار کی قسمت کا آخری فیصلہ تھا اس کے بعد اب اس صوبہ کی قسمت کا سوال دوبارہ نہیں چھیڑا جا سکتا اس کو جائز ثابت کرنے کے لئے وہ لکھتے ہیں کہ:۔

" نظام اچھی طرح اس مباحثہ کے لئے تیار تھے جو ان کے اور لارڈ کرزن کے درمیان ہوا تھا۔ وہ خود اپنی مرضی سے تنہا ملاقات کیلئے آئے تھے۔ ان پر وقت کے وقت جواب دینے کے لئے کوئی زور ڈالا نہیں گیا تھا بلکہ انہوں نے خود ایسا کرنا پسند کیا حالانکہ لارڈ کرزن برابر یہ مشورہ دیتے رہے کہ وہ پورے غور و خوض کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کریں اس ملاقات کے بعد بھی ان کو ساڑھے تین مہینہ کا وقفہ مل گیا جو انکی بے ضابطہ منظوری کی باضابطہ تصدیق سے پہلے گذرا تھا۔ انہوں نے یہ باضابطہ تصدیق ایسے الفاظ میں کی جو مجبوری کے خیال کو تقویت دینے کے بجائے اعلیٰ درجہ کی طمانیت کو ظاہر کرتے ہیں اس کے بعد ان کو پھر تین مہینہ سے زیادہ کی مہلت عہدنامہ پر دستخط ہونے سے پہلے مزید غور کے لئے مل گئی اور آخر میں خود انکی اپنی یادداشت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ معاملہ کی اصلی صورت کے متعلق کسی غلط فہمی میں نہ تھے۔

اس سے لارڈ ریڈنگ نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ ۱۹۰۲ء کا عہدنامہ کسی دھوکہ اور فریب کے اثر سے نہیں کیا گیا تھا بلکہ خوب سوچ سمجھ کر فرمانروائے وقت نے اپنی مرضی سے کیا تھا لیکن اگر اسے مان بھی لیا جائے کہ اعلیحضرت میر محبوب علیخاں مرحوم کو سوچنے سمجھنے کا خوب موقع دیا گیا تھا اور وہ بحث کے لئے خوب تیار بھی تھے اور انہوں نے آخری جواب دینے میں خود ہی جلدی بھی کی تھی۔ تب بھی نفس مسئلہ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اصلی سوال یہ ہے کہ جب وائسرائے نے ان سے صاف طور پر یہ کہدیا تھا کہ سابق معاہدات کی رو سے انکو استرداد برار کا کوئی حق نہیں ہے۔ برار کی تفویض عارضی بلکہ دوامی ہے اور برٹش گورنمنٹ

یہ فیصلہ کرچکی ہے کہ برار کو نہ اسوقت اور نہ آئندہ کبھی واپس دیگی تو ایسی حالت میں اعلیحضرت کے لئے سوچنے اور سمجھنے کی گنجائش ہی کونسی باقی رہگئی تھی لارڈ کرزن نے تو وائسرایانہ تحکم کے ساتھ استرداد کا دروازہ بند کرنیکے بعد ان کیلئے صرف دو راستے باقی چھوڑے تھے ایک یہ کہ ۲۵ لاکھ سالانہ کے عوض دوامی پٹہ لکھدیں۔ دوسرے یہ کہ موجودالوقت صورت برقرار رکھیں جس میں ان کو برار کی آمدنی میں سے ایک پیسہ بھی ملنے کی توقع نہ تھی۔ وائسرائے نے کہا تھا کہ وہ انہی دونوں صورتوں میں سے ایک کو اختیار کرسکتے ہیں اور تیسری صورت یعنی استرداد برار کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ ایسی حالت میں اگر ان کو سوچنے اور سمجھنے کی مہلت بھی دی گئی تو وہ بے معنی تھی۔ لارڈ کرزن پر ہمارا اعتراض یہ نہیں ہے کہ انہوں نے اعلیحضرت کو سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں دی بلکہ اعتراض یہ ہے کہ انہوں نے عارضی اور مقید تفویض کو دوامی اور مطلق قرار دیا۔ اگر ہمارا یہ اعتراض صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ ۱۹۰۲ء کا معاہدہ غلط اثر کے ماتحت ہوا اور اگر یہ اعتراض مسلم نہیں ہے تو بتایا جائے کہ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۶۰ء کے عہدناموں اور ان کے متعلق سرکاری اعلانات کی صحیح تعبیر کیا ہے؟ اس معاملہ میں یہی ایک بنیادی سوال ہے اور اسی سے لارڈ ریڈنگ نے گریز کیا ہے۔

اس طرح لارڈ ریڈنگ نے اصول کو چھوڑکر تمام تر غیر متعلق اور فروعی باتوں تک اپنے جواب کو محدود رکھا اور آخر میں لکھا کہ

”یور اگزالٹڈ ہز ہائی نس کا خط اس کے لواحق سمیت میں نے یہ سمجھکر کہ یہی آپ کی خواہش تھی ہز میجسٹی کے سکرٹری آف اسٹیٹ کو بھیجدیا تھا۔ چنانچہ وہ بھی ان تمام نتائج سے متفق ہیں جن تک حکومت ہند پہنچی ہے، لہذا یہ فیصلہ

جسے میں آپ تک پہنچانے کی عزت حاصل کر رہا ہوں۔ ہز میجسٹی کی حکومت کا فیصلہ ہے۔"

اگر لارڈ ریڈنگ کا جواب صرف بحث کی حیثیت رکھتا تو چنداں قباحت نہ تھی مگر بدقسمتی سے انہوں نے ایک طرف دعاوی کی تردید میں ناکافی اور بودے دلائل پیش کئے اور بنیادی مسائل پر بحث کرنے سے انکار کیا، اور دوسری طرف اپنے اس جواب کو "فیصلہ" کے رنگ میں لکھا اور نہ صرف اسپرٹ سے بلکہ الفاظ سے بھی یہ ظاہر کیا کہ "یہ فیصلہ" قطعی ہے یہ غیر معقول پوزیشن کسی طرح قابل اطمینان نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے اعلیٰحضرت میر عثمان علی خاں بہادر نے ۲۰ ستمبر ۱۹۲۵ء کو ایک اور خط لکھا جس میں ان کے تمام دلائل کا جواب دیتے ہوئے اس مسئلہ پر خصوصیت کیساتھ بحث کی کہ ایسے مسائل میں جو دو حلیف طاقتوں کے درمیان متنازع فیہ ہوں کسی فریق کو آخری فیصلہ کرنے کا کہاں تک حق حاصل ہے؟ اس کے متعلق حضور ممدوح نے لکھا۔

"حکومت برطانیہ کے ساتھ میرے تعلقات، نظام اور اپنی مملکت کا فرمانروا ہونے کی حیثیت سے اس ہجومی و دفاعی اتحاد کے تابع ہیں جو میرے اسلاف اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان باہمی احترام دوستی اور اشتراک مصالح کی بنیاد پر ہوا تھا۔۔۔۔۔ باستثناء ان مسائل کے جو خارجی طاقتوں اور خارجی سیاست سے تعلق رکھتے ہیں۔ حیدرآباد کے نظام اپنی ریاست کے داخلی امور میں ویسے ہی خود مختار رہے ہیں جیسی برٹش گورنمنٹ برٹش انڈیا میں ہے

اس استثناء کے ساتھ جس کا ذکر میں نے کیا ہے فریقین نے ہمیشہ بین الحکومتی

مسائل ہیں جو قدرتی طور پر وقتاً فوقتاً ہمسایوں کے درمیان اٹھ کھڑے ہوا کرتے ہیں۔ کامل آزادی اور خود مختاری کے ساتھ عمل کیا ہے۔ اب مسئلہ برار اس استثنا میں نہیں آتا اور نہیں آسکتا کوئی خارجی طاقت یا پالیسی اس قضیہ میں متعلق یا مخل نہیں ہے پس یہ قضیہ دو ایسی حکومتوں کے درمیان متنازع فیہ رہجاتا ہے جو ایک ہی درجہ کی ہیں اور جنمیں سے کوئی کسی کی تابع نہیں ہے میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ اس درجہ کے دو فریق ایک دوسرے کے دعاوی اور تجاویز کو رد کر دینے کی آزادی ضرور رکھتے ہیں مگر برٹش گورنمنٹ کا پورا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے میں یہ پوچھنے سے احتراز نہیں کرسکتا کہ مسئلہ برار میں لفظ "فیصلہ" کا استعمال کہاں تک صحیح ہے۔ خارجی امور کو الگ کر کے میں با برٹش گورنمنٹ کے ایک حلیف کی حیثیت سے اپنے لئے یہ حق محفوظ رکھنے میں بالکل حق بجانب ہوں کہ ہز میجسٹی کی حکومت کے اس انکار کو محض ایک "انکار" سمجھوں نہ کہ "فیصلہ"...... میرے مطالبہ استرداد برار کے جواب میں ہز میجسٹی کی گورنمنٹ کا انکار محض انکی رائے کا اظہار ہو تو سکتا ہے مگر وہ مجھ پر اور میرے خاندان پر کوئی ایسی پابندی عائد نہیں کرسکتا کہ اب اس قضیہ کو ختم شدہ اور اپنے دعوے کو ہمیشہ کے لئے خارج شدہ سمجھ لیا جائے اس قسم کی پابندیاں ایسے حلفا پر کبھی حاوی نہیں ہوسکتیں جو اپنے عہد ناموں کی شرائط کے ماتحت انکی پوری آزادی رکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کی تجاویز سے اتفاق کریں یا نہ کریں۔"

آگے چلکر اعلیٰحضرت نے لارڈ ریڈنگ کے ایک اور غلط طرز تعبیر پر اعتراض

فرمایا ہے۔ لارڈ ریڈنگ نے قضیہ برار کو ایک ایسا قضیہ قرار دیا تھا جس کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے۔ اس کے متعلق اعلیٰحضرت فرماتے ہیں۔

"اس لفظ (یعنی فیصلہ) کا استعمال ایک دوسری قانونی اصطلاح "امر فیصل شدہ" (Regudicate) کے ساتھ، مجھے پھر مجبور کرتا ہے کہ مسئلہ برار میں فریقین کی اعتباری حیثیت کے متعلق اپنے تصور پر مزید زور دوں.....

.....یور اکسیلنسی یقیناً جانتے ہونگے کہ میرے اسلاف یکے بعد دیگرے ابرار کی دوامی تفویض کی) تجاویز کو رد کرتے رہے ہیں۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے بعد ہز میجسٹی کی گورنمنٹ "امر فیصل شدہ" کا تصور کئے بغیر انہی تجاویز کو پیش کرتی اور ان پر اصرار کرتی رہی ہے جس طرح اس وقت اس اصطلاح کا اطلاق درست نہیں تھا۔ اسی طرح اب بھی جبکہ میں اس مسئلہ کے از سر نو افتتاح اور اس کے واجبی اور مناسب تفحص کی درخواست کر رہا ہوں۔ اس کا اطلاق درست نہیں ہے، حلیفوں اور دوستوں کے درمیان اس قسم کے معاملات میں "امر فیصل شدہ" کا عذر کر کے تفتیش اور تجدید تجاویز کا سد باب نہیں کیا جا سکتا اور نہیں کیا جانا چاہئے۔ یہ قاعدہ تو مقننوں نے بالکل دوسرے ہی ظروف واحوال کے لئے وضع کیا تھا، جو ایسے فریقین اور ایسے مسائل سے تعلق رکھتے ہیں جو نہ تو ہز میجسٹی کی گورنمنٹ اور نظام سے کوئی مشابہت رکھتے ہیں اور نہ زیر بحث مسئلہ سے کوئی مجانست۔"

اس کے بعد اعلیٰحضرت نے اس سوال پر بحث کی ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کا جج بنجانا، اور محض انکار کی صورت میں بلا دلیل آخری و قطعی فیصلہ

صادر کردینا کہاں تک جائز ہوسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں وہ فرماتے ہیں کہ:-

"قطع نظر اس کے جو میں اوپر لفظ "فیصلہ" کے استعمال اور قضیہ برابر قاعدہ "امر فیصل شدہ" کے متعلق کہہ آیا ہوں، ایک بے ضابطگی بھی جس کو نوٹس میں لائے بغیر چھوڑ دینا ناممکن ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب کوئی تنزاع دو ایسے حلیفوں کے درمیان پیدا ہو، جو ایک خاص امر تصفیہ طلب میں ایک دوسرے کی نسبت تابعیت کی پوزیشن نہ رکھتے ہوں تو کیا آخری فیصلہ محض رد و انکار کی صورت میں صادر کرنے کا حق کسی ایک کے لئے محفوظ رہنا چاہئے؟ اس قسم کا ضابطہ عمل تو یہ معنی رکھتا ہے کہ فریقین میں سے ایک جج بھی بنجائے کسی امر متنازع فیہ میں اس طریقہ سے اطمینان بخش تصفیہ نہیں ہو سکتا۔ جج اور فریق مقدمہ کا ذات واحد میں اجتماع، ایک ایسا انتظام ہے جو بہت کچھ قابل طلب چھوڑ دیتا ہے۔[۱] ایک نامور قانون داں اور انگلستان کے سابق چیف جسٹس ہونے کی حیثیت سے یور اکسلنسی مجھ سے زیادہ اسکی اہمیت رکھتے ہیں کہ ایسے اجتماع سے تبری کریں۔"

اس کے بعد اعلیحضرت نے لارڈ ریڈنگ کے تمام دلائل کا لفظ بلفظ جواب دیا تھا۔ آخر میں اپنی طرف سے تصفیہ کی یہ صورت پیش کی تھی کہ:-

---

[۱] میں نے اس فقرہ کا مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی ہے مگر اصل انگریزی میں جو لطف ہے اسے اردو میں منتقل کرنا مشکل ہے۔ دیکھئے کس قدر خوب لکھا ہے۔

Judge and Party in one is an arrangement that leaves much to be Desired

تصفیہ برار کے متعلق امور متنازع فیہ کو ایک کمیشن کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ اسکی تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کرے اور اس کا صدر ایک بلند پایہ اور اعلیٰ قانونی تجربہ رکھنے والا برطانی جنٹلمین ہو جسے وزیر ہند نامزد کریں اور صدر کے علاوہ اس کے چھ ارکان ہوں ان چھ میں سے دو حکومت ہند کے نامزد کئے ہوئے ہوں، دو میرے منتخب کئے ہوئے ہوں، اور دو خود اہل برار کے نمائندے ہوں جنہیں صوبہ متوسط کی کونسل، لیجسلیٹو اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے غیر سرکاری براری ارکان منتخب کریں۔ اس طرح منتخب کئے ہوئے کمیشن کے لئے متعین مگر وسیع حدود بحث و تفتیش مقرر کئے جائیں تاکہ وہ ان تمام مسائل کی مکمل تحقیقات کرے جنمیں بدقسمتی سے ہز میجسٹی کی گورنمنٹ اور میرے درمیان اختلاف رائے ہے ان حدود کی تعین اس طرح ہو سکتی ہے کہ حکومت ہند کے شعبۂ سیاسیات کا ایک افسر اور میرا ایک آدمی یہ دونوں ملکر بحث کرلیں اور اس کے بعد میں اور یور اکسلنسی امور تنقیح طلب کو باتفاق رائے طے کرلیں اس کمیشن کا پورا خرچ میری حکومت برداشت کرے گی۔

میں نے اس خط کے خاص خاص حصوں کو خود اعلیحضرت کے الفاظ میں نقل کیا ہے۔ تاکہ ہر شخص اسکو پڑھکر اسکی معقولیت کا خود اندازہ کرے اعلیحضرت نے حکومت ہند کی اختیار کی ہوئی غلط پوزیشن پر جو اعتراضات کئے تھے انہیں کوئی منصف مزاج اور معقول آدمی ناروا اور بیجا نہیں کہہ سکتا اور امور متنازع فیہ کے تصفیہ کی جو صورت حضور ممدوح نے پیش کی تھی وہ بھی نہ صرف معقول و مناسب بلکہ اعلیحضرت کی بہ نسبت خود حکومت ہند کے حق میں زیادہ مفید تھی۔ لیکن اس کا

جو جواب حکومت ہند کے رئیس اعلیٰ نے دیا اس کے متعلق اس سے بہتر کوئی اظہار رائے نہیں ہو سکتا کہ اس کو خود اسی کے الفاظ میں نقل کر دیا جائے۔

لارڈ ریڈنگ اپنے ۲۷ مارچ ۱۹۲۶ء کے خط میں لکھتے ہیں کہ :-

"میں یور اگزالٹڈ ہائی نس کی پیروی میں اس قضیہ کی تاریخی تفصیلات پر بحث کرنا نہیں چاہتا جیسا کہ میں آپ کو اپنے پہلے خط میں اطلاع دے چکا ہوں آپ کے پیش کردہ امور کی پوری توجہ کے ساتھ تحقیق و تفتیش کی گئی ہے اور اب جو کچھ آپ فرماتے ہیں ان میں کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی جو میری گورنمنٹ اور وزیر ہند کے اخذ کردہ نتائج پر اثر انداز ہوئی ہو ....

"آپ نے بیان کیا ہے کہ حیدر آباد کے داخلی امور میں آپ فرمانروائے ریاست حیدر آباد ہونے کی حیثیت سے وہی درجہ رکھتے ہیں جو برٹش گورنمنٹ کو جہاں تک برطانی ہند کے داخلی امور کا تعلق ہے، ہندوستان میں حاصل ہے" .... یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ یور اگزالٹڈ ہائی نس اپنے اور دولت عالیہ (Paramount Power) کے تعلقات کے متعلق ایک غلط تصور رکھتے ہیں، جسے دور کرنا ہز امپیریل میجسٹی کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے مجھ پر لازم ہے کیونکہ اس وقت ایک ایسے مسئلہ میں میری خاموشی کو ممکن ہے کہ بعد میں اس دعوے کے تسلیم کر لینے کا ہم معنی قرار دیا جائے جسے آپ نے پیش کیا ہے تاج برطانیہ کی سیادت ہندوستان میں سب سے برتر ہے اور اس بناء پر کوئی والئی ریاست برٹش گورنمنٹ کے مساویانہ طریق پر گفت و شنید کرنے کا دعوے کرنے میں حق بجانب حق ہو سکتا تاج کی برتری صرف معاہدات اور تہنا مجات ہی پر مبنی نہیں ہے بلکہ وہ ان سے

بے نیاز ہو کر بھی قائم ہے۔ خارجی دول اور ریاست سے تعلق رکھنے والے معاملات میں اس کے خصوصی اختیارات سے قطع نظر، برٹش گورنمنٹ کا حق اور فرض ہے کہ بجزم و احتیاط ان تمام عہود و مواثیق کا احترام کرتے ہوئے جو ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ کئے گئے ہیں۔ ہندوستان کے طول و عرض میں امن اور حسن انتظام کو برقرار رکھے اس سے جو نتائج نکلتے ہیں وہ اتنے معروف ہیں، اور دوسرے والیان ریاست کی طرح یور اگزالٹڈ ہائی نس پر بھی ان کا اطلاق اتنا روشن ہے کہ ان کو بیان کرنا مشکل ہی سے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تاہم اگر توضیح کی ضرورت ہو تو میں یور اگزالٹڈ ہائی نس کو یاد دلاؤں گا کہ سنہ ۱۸۶۲ء میں دوسرے والیان ریاست کی طرح فرمانروائے حیدرآباد کو بھی ایک سند دی گئی تھی جس میں ظاہر کیا گیا تھا کہ برٹش گورنمنٹ ان کے خاندان اور انکی حکومت کے بقاء کی خواہشمند ہے۔ بشرطیکہ وہ تاج کے وفادار رہیں اور یہ کہ مسند حیدرآباد پر کسی کی جانشینی اسوقت تک جائز نہ ہوگی۔ جب تک ہز میجسٹی شہنشاہ معظم اسکو منظور نہ کرلیں نیز جانشینی کے مسئلہ میں اگر کوئی نزاع برپا ہو تو برٹش گورنمنٹ تنہا اس کا فیصلہ کرے گی۔"

دیسی ریاستوں کے اندرونی معاملات میں برٹش گورنمنٹ کا حق مداخلت ان نتائج کی ایک دوسری مثال ہے جو برطانی تاج کی برتری کو لازمی طور پر متضمن ہیں فی الواقع برٹش گورنمنٹ نے بارہا اس بات کا اظہار کیا ہے کہ وہ شدید وجوہ کے بغیر اس حق کو استعمال کرنے کی کوئی خواہش نہیں رکھتی مگر وہ داخلی اور خارجی تحفظ جس سے والیان ریاست متمتع ہوتے ہیں انجام کار

برٹش گورنمنٹ ہی کی محافظ قوت کے باعث انہیں حاصل ہے اور جہاں کہیں شاہی مفاد کا تعلق ہو یا کسی ریاست کے طرز عمل سے اس کے باشندوں کی فلاح و بہبود پر واقعی اور شدید مضرت رساں اثر پڑ رہا ہو تو حسب ضرورت اس کا تدارک کرنے کی ذمہ داری آخر میں بالاتر قوت ہی پر عائد ہونی چاہیئے۔ اندرونی حاکمیت (Soverigenty) کے وہ تمام مدارج جن سے والیان ریاست متمتع ہوتے ہیں سب کے سب بالاتر قوت ہی کی جانب سے اس ذمہ داری کی مناسب انجام دہی کے ساتھ مقید ہیں۔ اس پر ایسی ہی دوسری مثالوں کا بھی اضافہ کیا جا سکتا ہے جو مذکورہ بالا مثالوں سے کچھ کم آپ کی اس رائے کی تغلیط نہیں کرتیں کہ باستثنائے امور متعلق بہ دول و سیاسیات خارجیہ یور اکزالٹڈ ہائی نس کی حکومت اور برٹش گورنمنٹ ایک ہی درجہ مساوات پر قائم ہیں۔ مگر میں اس موضوع پر کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ میں صرف یہ اضافہ کروں گا کہ یور اکزالٹڈ ہائی نس کو جو "یار وفادار" کا خطاب حاصل ہے اس کا یہ اثر نہیں ہے کہ تاج برطانیہ کی سیادت میں آپکی گورنمنٹ کو دوسری ریاستوں سے کوئی جداگانہ حیثیت حاصل ہو۔"

آپ نے حیدرآباد اور دولت عالیہ کے تعلقات کے متعلق اپنے موجودہ تصور کی توضیح کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہز مجسٹی کی گورنمنٹ جن نتائج پر پہنچی ہے ان کو لفظ "فیصلہ" سے تعبیر کرنے میں ہیں نے غلطی کی ہے نیز یہ کہ قاعدہ "امر فیصل شدہ" کا اطلاق حیدرآباد اور حکومت ہند کے مابین نزاعی امور میں درست نہیں ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں یور اکزالٹڈ ہائی نس کی اس

رائے سے اتفاق نہیں کر سکتا کہ آپ کے پیش کردہ امور کے متعلق وزیر ہند کے احکام ایک "فیصلہ" کی حد تک نہیں پہنچتے، یہ دولت عالیہ کا حق اور امتیازی حق ہے کہ وہ تمام ان نزاعات کا فیصلہ کرے جو دو ریاستوں کے درمیان یا خود اس کے اور کسی ریاست کے درمیان پیدا ہوں اگرچہ خاص خاص حالات میں ایک عدالت ثالثی بھی مقرر کی جا سکتی ہے مگر اس عدالت کا کام بھی صرف اتنا ہی ہے کہ حکومت ہند کو آزادانہ مشورہ دے باقی رہا فیصلہ تو اس کا حق حکومت ہند ہی کو حاصل رہے گا۔

رہا اصطلاح "امر فیصل شدہ" کا استعمال تو یہ میں بھی جانتا ہوں کہ حکومت ہند کے لئے کسی عدالت دیوانی کی طرح اسکی ممانعت نہیں ہے کہ کسی ایسے مسئلہ کی سماعت کرے جو پہلے کسی فیصلہ کا موضوع بن چکا ہو مگر "امر فیصل شدہ" کا قانونی اصول ٹھوس عملی ملحوظات کی بنیاد پر وضع کیا گیا ہے اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ایک ایسے مسئلہ کو جس کا پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہو بار بار انہیں فریقین کے درمیان زیر بحث لانا کسی طرح مرغوب نہیں ہے۔

اب میں آپ کی اس درخواست کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ قبضۂ برار کی تحقیقات اور اس پر رپورٹ کرنے کے لئے کمیشن مقرر کیا جائے،

یور اکزالٹڈ ہائی نس خود بھی جانتے ہیں کہ اب سے تھوڑے ہی عرصہ پہلے حکومت ہند نے ایسے مسائل میں عدالت ثالثی مقرر کرنے کے لئے ایک خاص قاعدہ مقرر کیا ہے، جنمیں کوئی ریاست حکومت ہند کے فیصلہ سے مطمئن نہو لیکن اگر آپ اس تحریر کو ملاحظہ کریں گے جو اس جدید انتظام پر مشتمل ہے تو آپ

دیکھیں گے اس میں کوئی ایسی دفعہ نہیں رکھی گئی ہے جسکی رو سے ایسے
مقدمات میں بھی عدالت ثالثی مقرر کی جا سکتی ہو جن میں خود ہز مجسٹی کی
گورنمنٹ نے فیصلہ صادر کیا ہو۔ میں یہ نہیں سمجھ سکتا کہ ایک ایسا مقدمہ
جیسا کہ یہ ہے جسمیں ایک پرانی نزاع کا خاتمہ ایک سمجھوتہ کے ذریعہ کیا جا چکا ہے
اور وہ سمجھوتہ بھی پورے غور و خوض کے بعد ایسی شرائط پر ہوا ہے جو ابہام سے
پاک ہیں ثالثی کی غرض سے پیش کرنے کے لئے موزوں ہو سکتا ہے۔"

میں نے چند غیر ضروری فقروں کو حذف کر کے یہ پورا خط لفظ بلفظ نقل کر دیا ہے تاکہ ہر شخص خود اس کو پڑھکر رائے قائم کر سکے۔ اس میں لارڈ ریڈنگ نے برار کے اصلی مقدمہ کو اس کے تمام قانونی اور واقعاتی نکات سمیت نظر انداز کر کے صرف اس امر پر زور دیا ہے کہ برٹش گورنمنٹ بالا دست ہے اور دولت آصفیہ زیر دست، اس لئے اگر بالا دست نے زیر دست کا ملک جبر سے یا حیلہ سے یا کسی طرح چھین لیا تو اب زیر دست کو یہ حق باقی نہیں رہا کہ اس سے کسی دلیل و حجت کا مطالبہ کرے یا اپنے دعوائے استحقاق کو پیش کر کے اسپر بحث کرے یا کسی عدالت ثالثی کے ذریعے انصاف کرانے کی کوشش کرے۔ بالا دست کو حق ہے کہ بلا دلیل اپنی تائید میں خود فیصلہ صادر کر دے۔ اور زیر دست کا فرض ہے کہ خواہ وہ مطمئن ہو یا نہ ہو، بہر صورت اس فیصلہ کو سنکر دم بخود رہ جائے لارڈ ریڈنگ نے دولت آصفیہ کو ایک ماتحت حکومت ثابت کرنے کے لئے جو طریق استدلال اختیار کیا ہے اس پر کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں اسکی کمزوری تو اسی سے ظاہر ہے کہ تمام معاہدات و عہد ناموں میں سے

ان کو صرف ایک ۱۹۲۶ء کی سند مل سکی ہے جسکو کھینچ تان کر بمشکل یہ معنی پہنائے جاسکتے ہیں کہ داخلی امور میں بھی دولت آصفیہ سلطنت برطانیہ کی تابع ہے حالانکہ ۱۸۰۰ء کا معاہدہ جس پر دولتین کے موجودہ تعلقات قائم ہیں، اسکی صاف تردید کر رہا ہے تاہم اگر تھوڑی دیر کے لیئے یہ مان لیا جائے کہ دولت آصفیہ خارجی امور کی طرح داخلی امور میں بھی سلطنت برطانیہ کی تابع ہے۔ تب بھی یہ سوال جوں کا توں رہتا ہے کہ حقوق کے متعلق متنازع فیہ امور میں بالاتری وطاقتوری کی بناء پر "فیصلہ" صادر کرنا اور فیصلہ بھی اس طرح کہ بحث و استدلال کا دروازہ بند کر کے سادہ اور خالص رد و انکار کی شکل میں جواب دیدیا جائے کہاں تک جائز معقول اور اطمینان بخش ہو سکتا ہے اس چیز کو خواہ کتنے ہی پیچ در پیچ اور رو کیلانہ انداز بیان میں پیش کیا جائے مگر کوئی صاحب عقل آدمی اتنی موٹی سی بات سمجھنے سے قاصر نہیں رہ سکتا کہ حق اور انصاف کے معاملہ میں نہ بالادستی استحقاق کی دلیل ہو سکتی ہے اور نہ زبردستی عدم استحقاق کی، اور خصوصیت کے ساتھ ایسا مقدمہ جس میں مدعی کی شکایات اتنی قوی اتنی مدلل اور اتنی معقول ہوں کبھی اس طرح طے نہیں ہو سکتا کہ بحث تفتیش تحقیقات کچھ نہ ہو اور مدعیٰ علیہ صرف یہ دو حرفی حکم صادر کردے کہ مدعی کا دعویٰ خارج، اگر بفرض محال یہ درست ہے کہ دولت آصفیہ حکومت برطانیہ کے مقابلہ میں ایک تابعانہ حیثیت رکھتی ہے تب بھی اسکی تابعیت برطانی ہند کے رعایا سے زیادہ ادنیٰ تو نہیں ہے پھر برطانی رعایا کو حکومت کے خلاف عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹانے کا حق ہے، اور انگریزی عدالتوں میں

رات دن "تاج" (Crown) کے خلاف دعوے ہوتے رہتے ہیں
تو کیا سلطنت آصفیہ کا تاجدار برطانی رعایا کے معمولی افراد سے بھی گیا گذرا ہے کہ اس کو ایک آزاد اور غیر جانبدار کمیشن کے ذریعہ اپنی شکایات کے متعلق تحقیقات کرانے کا حق بھی نہیں مل سکتا؟ فصل خصومات اور تصفیہ نزاعات کا یہ تو کوئی بھی معقول طریقہ نہیں ہے کہ پہلے ملک پر عارضی قبضہ کیا جائے اس دلیل سے کہ اگر نہ دوگے تو پونا کی دو رجمنٹیں تم پر حملہ کر دینگی پھر اس عارضی قبضہ پر دوامی تسلط کا پٹہ حاصل کیا جائے اس حجت سے کہ ملک تو تمہیں بہر صورت واپس نہ ملے گا، البتہ اگر تم دوامی پٹہ نہ لکھوگے تو اب تک اس میں سے جو تھوڑا بہت تمہیں ملتا رہا ہے وہ بھی بند ہو جائے گا، پھر جب اصل حقدار اس ناجائز طریق ملک گیری پر اعتراض کر کے اپنے جائز دعاوی پیش کرے تو اس کو یہ کہکر خاموش کر دیا جائے کہ ہماری قوت تم سے بالاتر ہے اور ہم یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ تمہارے ملک کو واپس نہ کریں گے اس لئے تم کو یہ فیصلہ بے چون وچرا تسلیم کرنا چاہئے! یہ طریقہ بر سر جنگ دشمنوں کے ساتھ اختیار کیا جائے تو چنداں قابل تعجب نہیں، مگر دوستوں کے ساتھ اور دوست بھی وہ جو مصیبت کے وقت جان کی جان اور روپے کی جگہ روپیہ قربان کرنے میں دریغ نہ کرتے ہوں اسے استعمال کرنا حق وانصاف ہی کا نہیں بلکہ انسانیت وشرافت کا بھی خون کرنا ہے۔

سلطنت برطانیہ خود بھی اپنے اس جواب کی غیر معقولیت کو سمجھتی ہے اور اُسے معلوم ہے کہ اعلیٰحضرت میر عثمان علیخاں جیسے مضبوط اور بیدار مغز فرمانروا کو

ایسے جوابات سے خاموش کرنا مشکل ہے اس لئے اس نے انکے دعوے کو رد کرنے کے ساتھ ہی اُنہیں خاموش کرنے کا بالواسطہ طریقہ یہ اختیار کیا کہ اعلیحضرت کیلئے خود ان کے ملک میں داخلی مشکلات پیدا کرنی شروع کردیں، وہی دولت آصفیہ جو اکتوبر ۱۹۲۳ء سے پہلے تک تمام نقائص سے مُبرا تھی، اور جسے نومبر ۱۹۲۳ء میں خود لارڈ ریڈنگ نے یہ سرٹیفکیٹ عطا کیا تھا کہ اس کا نظم و نسق نہایت عمدہ اور قابل اطمینان ہے۔ استرداد برار کا مطالبہ کرتے ہی اس میں ہزاروں عیوب نکلنے شروع ہوگئے۔ اس کی رعایا سے اس کے جاگیرداروں سے اسکے امراء و اعیان سلطنت سے اسکی پائیگاہوں سے غرض اسکی رعیت کے تمام طبقوں سے برٹش گورنمنٹ کو گہری ہمدردی پیدا ہوگئی اس کے فرمانروا کے انتظامی معاملات ہی نہیں بلکہ ذاتی معاملات تک نکتہ چینی و حرف گیری کے قابل ہوگئے اور اس امر کی شدید ضرورت پیش آگئی کہ دولت عالیہ اس کے داخلی امور کی اصلاح کے لئے مداخلت کرے، استرداد برار کا مطالبہ کرنے سے پہلے تک ان خرابیوں میں سے کوئی خرابی وہاں نہ تھی اور اصلاح امور کے لئے مداخلت کرنا بھی برٹش گورنمنٹ کے فرائض سے خارج تھا لیکن یہ مطالبہ کچھ ایسا منحوس نکلا کہ اعلیحضرت میر عثمان علیخاں کی زبان سے اس کے نکلتے ہی دفعتہً ہزاروں خرابیوں اور سینکڑوں عیوب کا دروازہ کھل گیا اور بیچاری حکومت برطانیہ پر اس مطالبہ کو رد کرنے کے ساتھ ہی بیسیوں ایسے فرائض کا بار آن پڑا جن سے وہ پہلے بالکل سبکدوش تھی یہ ڈھنگ ہیں جن سے حق طلبوں کا منہ بند کیا جاتا ہے اور بالادست زیردستوں سے اپنے فیصلے منوائے جاتے ہیں۔

ڈیڑھ صدی کے تعلقات پر ایک نظر

انگریزی حکومت کے ساتھ فرمانروایان سلطنت آصفیہ کے ابتدائی تعلق سے لیکر جدید ترین عہد تک ڈیڑھ صدی سے زائد مدت میں دونوں سلطنتوں کے سیاسی تعلقات کا جو حال رہا ہے اس کو خود انگریزی ذرائع اور زیادہ تر معتبر و مستند سرکاری ریکارڈ کے حوالہ سے ان صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے اس طویل تاریخی داستان کی تفصیلات کو نظر انداز کر کے اگر اس کا ایک اجمالی خلاصہ نکالا جائے تو وہ ایک جملہ میں اسطرح بیان کیا جاسکتا ہے کہ۔

"دولت آصفیہ کی جانب سے ہمیشہ وفاداری اور احسان کا برتاؤ کیا گیا اور دولت برطانیہ کی جانب سے اس کا جواب ہمیشہ بیوفائی اور محسن کُشی کی شکل میں دیا گیا۔"

۱۷۶۶ء سے لیکر ۱۹۲۶ء تک دونوں کے سیاسی تعلقات کی پوری تاریخ کو پڑھ جائیے آپ دیکھیں گے کہ سلطنت برطانیہ پر کوئی نازک وقت ایسا نہیں آیا ہے جسمیں دولت آصفیہ نے جان و مال سے اسکی مدد نہ کی ہو۔ مگر اس کے ساتھ ہی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ دولت آصفیہ کے احسانات کا بدلہ اس کو نقصان پہنچا کر نہ دیا گیا ہو۔ نواب میر نظام علیخاں نے حیدر علی اور ٹیپو سلطان کے خلاف انگریزوں کی مدد کی اور اپنی مملکت کی پانچ شمالی سرکارین اور کڑپہ اور بلاری کے علاقے ان کی نذر کیے مگر اس کا بدلہ یہ ملا کہ ان کی فوج کے بہترین حصہ کو زبردستی منتشر کیا گیا اور مرہٹوں کے ہاتھوں

ان کی سلطنت کو پامال ہوتے دیکھکر انگریزوں نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔ اس کے بعد نواب سکندر جاہ نے پہلی اور دوسری جنگ مرہٹہ میں انگریزوں کا ساتھ دیا اور انگریزوں نے اس کا بدلہ یہ دیا کہ انکو خود ان کی مملکت میں بے بس کر دیا اور ان کے ملازموں سے ساز باز کر کے انکی مملکت کے لئے ہلاکت و بربادی کے تمام سامان مہیا کر دیئے۔ نواب ناصر الدولہ نے خود اپنے بھائی مبارز الدولہ کو جب کہ ان پر وہابی سازش کا الزام لگایا گیا تھا، قید کیا، ۱۸۳۵ء ۱۸۳۶ء اور ۱۸۳۹ء میں کرنول اور گومسور وغیرہ کے خلاف فوجی امداد دی اور انگریزی حکومت کے ناجائز مطالبات پر بے چوں وچرا لاکھوں روپیہ کنٹجنٹ کے لئے دیا، مگر اس سلوک کے عوض فوجی دھمکی دے کر ان سے ان کی پوری ریاست کا تیسرا حصہ زبردستی حاصل کر لیا گیا، نواب افضل الدولہ اور ان کے وزیر سالار جنگ نے غدر کے ہنگامہ میں انگریزوں کی ایسی اعانت کی جس پر خود وزیر ہند نے انکو وفاداروں کی فہرست میں سب سے اوپر رکھنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن اس وفاداری کی یہ قدر کی گئی کہ استرداد برار کے لئے ان کے جائز مطالبات کو پیہم ٹھکرایا گیا اور آخر میں سالار جنگ کو گرفتاری تک کی دھمکی دیکر زبردستی خاموش کیا گیا۔ نواب میر محبوب علیخاں مرحوم نے مصر و افغانستان اور روس کے خلاف مالی اور فوجی امداد پیش کی اور تمام عمر انگریزوں کی وفاداری کا دم بھرتے رہے مگر ان کو اس کا یہ انعام دیا گیا کہ جب شدید مالی مشکلات میں مبتلا تھے تو ان کو برار کے منافع سے محروم کر کے اور معاہدات و مواعید کے

خلاف استرداد برار سے مایوس کرکے اُن سے برار کا دوامی پٹہ حاصل کیا گیا آخر میں اعلیحضرت نواب میر عثمان علیخاں بہادر نے جنگ عظیم میں برطانی سلطنت کے تمام غیر برطانی دوستوں سے زیادہ اسکی مالی اور فوجی اعانت کی اور موت و زیست کی کشمکش میں اس کا ہاتھ بٹایا۔ مگر جب وہ سخت وقت گذر گیا تو ان کے احسانات کا بدلہ یہ دیا گیا کہ برار کے مسئلہ میں ان مطالبات کو سختی کے ساتھ ٹھکرا دیا گیا۔ اور اس حق طلبی کی پاداش میں ان کے لئے طرح طرح کی داخلی مشکلات پیدا کرنے کا سامان کیا جاتا رہا ہے۔

اس ایک طرفہ دوستی کی داستان پر اس سے بہتر تبصرہ نہیں ہو سکتا جو آج سے بہت عرصہ پہلے خود ایک انگلو انڈین اخبار ٹائمز آف انڈیا کر چکا ہے وہ لکھتا ہے کہ:۔

"نظام دکن کے ساتھ ہمارے تعلقات اس زمانہ سے جبکہ ہم نے ایک محافظ قوت کی حیثیت اختیار کی موجودہ اور زیادہ روشن زمانہ تک ایسے رہے ہیں کہ ان کی تاریخ ہر اس شخص کو جو ہماری قومی سیرت اور دیسی دماغ پر اس کے اثر کو خوب تر دیکھنے کا حریص ہو۔ رنج و افسوس کے ساتھ پڑھنی چاہیئے ہم نے ظاہر تو یہ کیا کہ نظام کے مقبوضات کو خارجی دست برد اور داخلی انتشار سے بچائیں گے۔ ان کی سلامتی کے ضامن رہیں گے۔ اور انکی حالت کو درست کریں گے۔ مگر ہم نے کیا یہ کہ ان کی سلطنت کے صوبے پر صوبے ہضم کرتے چلے گئے۔ درحقیقت ہم نے نظام کو مجبور کر کے اسی ملک کے اقطاع اُن سے جبراً حاصل کئے جس کی حفاظت کی ذمہ داری

لیکن ہم اس کا معاوضہ بھی وصول کر چکے تھے۔ حیدر آباد کے لئے ہماری حمایت بجائے اس کے کہ تحفظ کی ضامن ہوتی الٹی قطع و برید اور دست برد کا ذریعہ بن گئی۔ ایسی حالت میں اسکو حمایت سے موسوم کرنا اس لفظ کا بے محل استعمال ہے۔ ایک سلطنت کا دوسری سلطنت کو اپنی حفاظت میں لینا اور پھر اس حفاظت کے معاوضہ میں اس کے بڑے بڑے اقطاع کو یکے بعد دیگرے سلب کرتے رہنا تا آنکہ وہ "محفوظ" سلطنت گھٹتے گھٹتے اپنی سابقہ عظمت و وسعت کا محض ایک شائبہ رہجائے اور محافظ سلطنت اپنے مقبوضات میں اضافہ کرتی چلی جائے ایک ایسی حرکت ہے جس کو لفظ حمایت و حفاظت سے تعبیر کرنا انتہا درجہ کی لغویت ہے اگر یہ نتائج اس نوع کے سیاسی تعلق کے ساتھ ناگزیر ہیں تو ایسی حالت میں اس حمایت کو مفید سمجھنا تو درکنار ہم کہیں گے کہ وہ کھلم کھلا دشمنی سے کچھ کم ہولناک نہیں ہے۔ اگر ہم نظام کو علانیہ جنگ میں شکست دیتے اور فاتح کی حیثیت سے شرائط صلح پیش کرتے تو توسیع مملکت کے سلسلہ میں خواہ وہ کامل الحاق کی شکل میں ہوتی یا ارضِ مفتوح کے فوجی اختلال کی صورت میں ہم کو شاید اس سے زیادہ ملک ہاتھ نہ آتا جتنا ہم نے دوستی کے خوشی آیندہ مظاہرہ اور پُر فریب حمایت و حفاظت کے پردہ میں حاصل کر لیا۔"[۱]

یہ تبصرہ آج بھی اتنا ہی صحیح ہے، جتنا کہ آج سے ۵۰ برس پہلے تھا۔

۱۔ ٹائمز آف انڈیا مورخہ ۲ ۱؍ اکتوبر ۱۸۶۶ء

اس تاریخی داستان کو دہرانے سے یہ مقصود نہیں ہے کہ جو کچھ زمانہ سابق میں ہوتا رہا ہے، وہی اب بھی ہوتا رہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ سابق میں جو غلطیاں کی گئی ہیں انہیں بیان کر کے ان کے نتائج سے آگاہ کیا جائے۔ اور ان کی تلافی کا مشورہ دیا جائے۔ تاریخ اس لئے نہیں ہے کہ اسکی پیروی کی جائے بلکہ اس لئے ہے کہ اس سے سبق حاصل کیا جائے۔ اگر کوئی قوم ڈیڑھ سو برس سے حماقتیں اور غلطیاں کر رہی ہو تو ان کے اعادہ کا یہ نتیجہ نہ ہونا چاہیئے کہ وہ اسی ڈگر پر اور زیادہ اصرار کے ساتھ چلتی رہے۔ اگر درحقیقت یہ ثابت ہو جائے کہ اس کے وہ افعال غلط اور غیر معقول تھے تو ہر خردمند انسان کے نزدیک اس کا نتیجہ صرف یہی ہونا چاہیئے کہ آئندہ کیلئے وہ ان سے اجتناب کرے، جہاں تک ممکن ہو کھلے دل سے انکی تلافی کرے اور عقل صحیح کی روشنی میں اپنے لئے ایک نئی اور زیادہ بہتر پالیسی اختیار کرے اس طویل مضمون کی تحریر سے میرا مقصد بھی یہی ہے کہ سلطنت برطانیہ کے مدبرین کو یہ مشورہ دوں کہ ایک مرتبہ وہ اپنے گذشتہ نامۂ اعمال پر ایمانداری کے ساتھ ایک نگاہ ڈال لیں اور خود اپنے دل سے یہ سوال کریں کہ کیا دوستوں اور وفاداروں سے یہی سلوک کیا جانا چاہیئے کیا کوئی قوم اپنے دوستوں کے ساتھ ایسا سلوک کر کے یہ امید کر سکتی ہے کہ کسی نازک وقت میں کوئی اسکی مدد کرے گا؟ کیا اس طرز عمل سے کوئی قوم اپنے دوستوں کی تعداد میں اضافہ اور دشمنوں کی تعداد میں تخفیف کر سکتی ہے؟ اور کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس قسم کے برتاؤ سے کوئی قوم دوسری قوموں کی وفاداری، اخلاص اور

محبت کو خرید سکتی ہے؟ اگر اہل برطانیہ کی عقل کا اس حد تک دیوالہ نکل چکا ہے کہ
ان سوالات کا جواب اثبات میں دے تو وہ شوق سے اسی ٹیڑھے راستے پر چلتے
رہیں جس پر چلتے رہے ہیں۔ اور اپنی آنکھوں سے اس انجام کو دیکھنے کے لئے تیار
رہیں جو ایسی حرکات کا قدرتی نتیجہ ہے، لیکن اگر برطانی قوم میں فی الواقع
کچھ ایسے صحیح الفکر ارباب نظر موجود ہیں جو اپنی سلطنت کی غلط پالیسی
کے نتائج سمجھ سکتے ہیں تو ان کا فرض ہے کہ اس پالیسی پر نظر ثانی کریں،
اور اپنے دوستوں کے ٹوٹے ہوئے دلوں کو انعام واکرام نہ سہی حق و انصاف
سے جوڑ کر، اس وفاداری کا اپنے آپ کو جائز مستحق بنائیں جو ان کے لئے
بڑے بڑے نازک اوقات میں حد درجہ قیمتی ثابت ہوئی ہے۔

ہدیہ

مقابل کے صفحات ناظرین کو ہدیتہً پیش کرنے کے لئے چھپوائے جا چکے تھے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے ازراہ عنایت انہیں ضمیمہ کتاب بنانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔

اب یہ معاہدہ جو تکمیل کتاب کے لئے ضروری ہے بطور ضمیمہ اصل کتاب کے ساتھ پیش ہے۔

ناشران

سید علی شبر حاتمی۔ بی۔ ایس۔ سی عثمانیہ

چودھری محمد اقبال سلیم گاہندری

مُعاہدہ برار

۲۴ر اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ع

گزارش

ہم نے مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی مشہور و معروف تالیف "دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ" کا دوسرا ایڈیشن شایع کیا ہے۔ یہ کتاب مولانا نے ۱۹۲۸ء میں تالیف فرمائی تھی اور اسی وقت یہ شایع ہوئی تھی۔

چونکہ مصنف کی اجازت کے بغیر کتاب میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا اور دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ کے مابین جو معاہدہ مسئلہ برار ۱۹۳۶ء میں ہوا ہے اس کے بغیر کتاب کا مضمون دوسری اشاعت تک مکمل نہیں ہے اس لئے ہم معاہدہ برار ۱۹۳۶ء کو الگ چھاپ کر ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

۱۹۲۸ء کے بعد سے دونوں حکومتوں کے مابین کوئی قابل ذکر بات بجز زیر نظر معاہدہ کے طے نہیں پائی اس لئے صرف معاہدہ کا نقل کر دینا کافی ہے۔

سید علی شبر حاتمی
بی۔ ایس۔ سی (عثمانیہ)

محمد اقبال سلیم گاہندری
جولائی ۱۹۴۱ء

جریدۂ غیر معمولی

بہ حکم عالیجناب مہاراجہ بہادر کشن پرشاد یمین السلطنتہ بالقابہم

پیشکار و صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

اعلیحضرت مظفر الملک و الممالک فتح جنگ آصف جاہ سابع کے آستان سے

شرف ورود لایا ہوا فرمان نصرت نشان مترشدہ ۲۷ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ ہجری

اطلاع عام کے لئے شائع کرنے کی عزت حاصل کی جاتی ہے فقط

حیدر نواز جنگ

صدر المہام متعلقہ امور دستوری

فرمان

میں نے اپنے فرمان مورخہ ۱۲ شعبان المعظم ۱۳۵۲ھ میں لارڈ ولنگڈن کی حیدرآباد سے روانگی سے قبل ان انتظامات کے متعلق اپنا اطمینان ظاہر کیا تھا جو سرکار عظمت مدار کے ساتھ گفت و شنید کے نتیجہ کے طور پر ہندوستان میں نئے دستور قائم ہونے پر میرے ملک برار کے آئندہ نظم و نسق کی نسبت عمل میں آئیں گے۔ اسی فرمان میں میں نے یہ لکھا تھا کہ میری رعایا کو ان تدابیر کے

تفصیلی اعلان کا سخت انتظار رہیگا جن کی رو سے میرے ملک برار کا نظم و نسق ملک معظم کے اس ملک کے ساتھ جو بنام ممالک متوسط موسوم ہے بمثل ایک صوبہ واحد کے ہوگا جس کا نام "ممالک متوسط و برار" رہے گا۔ اور برار پر میری سلطنت عملاً اس طرح محیز ہو گی کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجایش نہ رہے گی۔

نیز یہ بھی ظاہر کیا تھا کہ برٹش گورنمنٹ اور میری گورنمنٹ دونوں کو امید ہے کہ ہندوستان کا دستوری نشو و نما بزودی ممکنہ اعلان مذکور کی اجازت دیگا تا کہ ابواب طے شدہ سے مجھے جو اطمینان حاصل ہوا اوس میں میری رعایا بھی شریک ہو سکے۔

چونکہ گفت و شنید اب بحمد اللہ کامیابی کیساتھ اختتام کو پہونچ چکی ہے اور میں نے بتاریخ ۷ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ ہجری مطابق ۲۴ اکٹوبر ۱۹۳۶ء عہد نامہ برار پر جو ملک معظم کے ساتھ ہے دستخط بھی ثبت کر دئے ہیں۔ اس لئے بفضلہ تعالےٰ اب وقت آگیا ہے جبکہ عہد نامہ کی دفعات اور نیز وہ منسلکہ مکتوب جو منجانب ملک معظم بدستخط ہز اکسلنسی وائسرائے بہادر میرے نام وصول ہوا ہے عوام کی اطلاع کی غرض سے شائع کر دیے جائیں۔

موجودہ عہد نامہ اور اس کے منسلکہ مکتوب کے ذریعہ یہ قدیم تصفیہ طلب مسائل جس طرح طے پائے ہیں نیز معاہدہ ۱۹۰۲ء کی تنسیخ سے مجھے کمال درجہ اطمینان ہوا ہے۔ اور مجھے امید ہے کہ اس یادگار موقع پر میری عزیز رعایائے حیدرآباد و برار میرے اطمینان و مسرت میں شریک ہوگی۔ میرا یہ فرمان معہ منسلکات جریدہ غیر معمولی کے ذریعہ بغرض اطلاع عام شائع کیا جائے۔

۲۷ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ

شرح دستخط مبارک

معاہدہ

جو آج بتاریخ ۲۴ ماہ اکتوبر سنہ عیسوی ایک ہزار نو سو چھتیس مابین ہز مجسٹی ملک معظم شہنشاہ کشور ہند و لفٹننٹ جنرل ہز اگزالٹیڈ ہائنس آصف جاہ مظفر الملک والممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب سر میر عثمان علیخاں بہادر فتح جنگ یار وفادار سلطنت برطانیہ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ بی۔ ای نظام حیدرآباد (دکن) تکمیل پایا۔

ہرگاہ اُن ممالک محروسہ میں جو ہز اگزالٹیڈ ہائنس نظام حیدرآباد کے اقتدار اعلیٰ کے تحت میں چند علاقہ جات موسوم برار شامل ہیں۔

اور ہرگاہ بذریعہ معاہدہ ۵ نومبر ۱۹۰۲ئہ یہ قرار پایا تھا کہ ہز اگزالٹیڈ ہائنس کے علاقہ جات موسوم بنام برار میں جس پر ہز اگزالٹیڈ ہائنس کے اقتدار اعلیٰ کے متعلق اُس معاہدہ میں مکرر اقرار کیا گیا تھا، سرکار عظمت مدار جس طریق سے مناسب تصور کرے انتظام نظم و نسق عمل میں لائے گی۔

اور ہرگاہ ایک ایسے وفاق ہند کے قیام سے متعلق تجاویز پر جو مشتمل ہو اُن ریاست ہائے ہند پر جو وفاق مذکور میں شرکت پر رضامند ہوں اور اُن صوبجات برطانوی ہند پر جو بطور صوبجات خود مختار قائم ہیں

نمائندگان حکومت ہز مجسٹی و پارلیمنٹ سلطنت متحدہ و برطانوی ہند و الیانِ ریاست ہائے میں مباحث ہو چکے ہیں۔

اور ہرگاہ وفاق ہند کے لئے پارلیمنٹ ایک دستور منظور کیا ہے اور وہ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء میں مدون کیا جا چکا ہے لیکن اوس میں اس امر کا انتظام کیا گیا ہے کہ قانون مذکور کے مختلف حصے مختلف تواریخ سے نافذ کئے جاسکیں گے۔

اور ہرگاہ قانون مذکور کے کسی حکم کا ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے کسی علاقہ پر ان کی رضامندی و اتفاق کے بغیر اطلاق نہ ہوگا۔

اور ہرگاہ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء میں اس امر کا انتظام کیا گیا ہے کہ مابین ہز مجسٹی اور ہز اگزالٹیڈ ہائینس ایک معاہدہ بدیں غرض طے پانے کی صورت میں صوبہ جات متوسط اور برار کا نظم و نسق، جب تک کہ ایسا معاہدہ نافذ العمل رہے۔ تحت قانون مذکور بطور ایک گورنر کے صوبہ کے مشترکہ طور پر عمل میں آئے گا۔

اور ہرگاہ ہز اگزالٹیڈ ہائینس اس امر کے خواہشمند ہیں کہ اُن کے علاقہ جات موسوم بنام برار کا نظم و نسق بمعیت اُن علاقہ جات ہز مجسٹی موسوم بہ صوبہ جات متوسط کے حسب احکام قانون مذکور عمل میں آئے اور وہ بہ معیت علاقہ جات مذکور اُس وفاق کی جو تحت قانون مذکور قائم ہونے والا ہے ایک وحدت قرار دی جائے اور بدیں غرض یہ قرین مصلحت سمجھا گیا ہے کہ بعوض معاہدہ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۲ء

ایک نئے معاہدہ کی تکمیل ہو۔

لھذا اب اس تحریر کے ذریعہ سے حسب ذیل قرار کیجاتی ہے

فقرہ اول۔ ہز مجسٹی برار ہز اگز الٹیڈ ہائینس کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم اور اس کو مکرر فرماتے ہیں۔

فقرہ دوم۔ ہز اگز الٹیڈ ہائینس اپنی اور اپنے ورثاء اور جانشینوں کی جانب سے ذریعہ ہذا اس امر کا اظہار فرماتے ہیں کہ بمتابعت و مطابقت شرائط مندرجہ معاہدہ ہذا وہ اپنے اُن علاقہ جات کے متعلق جو بنام برار موسوم اور آئندہ تحریر ہذا میں اُسی نام سے مذکور ہیں وفاق ہند میں جو تحت قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء تجویز کیا گیا ہے شرکت پر رضامند ہیں اور ہز مجسٹی بذریعہ ہذا اس رضامندی کی نسبت اپنی قبولیت کا اظہار فرماتے ہیں۔

فقرہ سوم۔ ہز اگز الٹیڈ ہائینس اپنی اور اپنے ورثاء اور جانشینوں کی جانب سے بذریعہ ہذا قانون مذکورہ کے ان احکام کے متعلق جن کا برار پر اطلاق ہو اس غرض سے اظہار قبولیت فرماتے ہیں کہ بمتابعت و مطابقت شرائط معاہدہ ہذا اور باوجود اس کے برار پر ہز اگز الٹیڈ ہائینس کا اقتدار اعلیٰ برقرار رہے گا برار اور ہز مجسٹی کے وہ علاقہ جات جو صوبہ جات متوسط کے نام سے موسوم ہیں دونوں کا نظم و نسق اس طرح عمل میں آئے کہ گویا وہ ایک ہی صوبہ ہیں جو بنام صوبہ جات متوسط و برار موسوم ہوگا۔ اور ہز مجسٹی اور جملہ وفاقی مرکزی و صوبہ جاتی ادارہ ہائے حکومت

صوبہ جات متوسط و برار کی نسبت وہ تمام اختیارات و فرائض انجام دیں جن کے وہ قانون مذکور کی رو سے یا اوس کے تحت حامل ہیں۔

فقرہ چہارم۔ صوبہ جات متوسط و برار کے گورنر کا تقرر منجانب ہز مجسٹی بعد مشورہ ہز اگز الٹیڈ ہائینس عمل میں آئے گا۔ اور گورنر جو اختیارات و فرائض تحت قانون مذکور منجانب یا بہ نیابت ہز مجسٹی انجام دے سکیں گے وہ برار کی حد تک ہز اگز الٹیڈ ہائینس کے اس معاہدہ کو منظور فرمانے کے بناء پر انجام دئے جائیں گے۔

فقرہ پنجم۔ برار میں جب کبھی اور جہاں کہیں گورنر صوبہ جات متوسط و برار کے احکام کی بناء پر برطانوی پرچم بلند کیا جائے گا تو اس کے پہلو بہ پہلو ہز اگز الٹیڈ ہائینس کا پرچم بھی بلند کیا جائے گا۔

فقرہ ششم۔ ہز اگز الٹیڈ ہائینس کا یہ حق بذریعہ ہذا تسلیم کیا جاتا ہے کہ حیدرآباد کے اعزازی خطابات باشندگان برار کو عطا فرمائیں بشرطیکہ ہز مجسٹی کے اس قائم مقام کا اتفاق قبل از قبل حاصل کیا جائے جو ریاستہائے ہند سے تاج برطانیہ کے تعلقات کے ضمن میں تاج کے اختیارات و فرائض انجام دینے کا مجاز ہو

فقرہ ہفتم۔ ہز اگز الٹیڈ ہائینس کے اس حق کو ہز مجسٹی تسلیم فرماتے ہیں کہ وہ برار میں دربار منعقد فرمائیں بشرطیکہ ہر مرتبہ ہز مجسٹی کے قائمقام مذکور کا اتفاق حاصل کیا جائے۔

فقرہ ہشتم۔ ہز اگز الٹیڈ ہائینس کو اختیار ہو گا کہ ہز مجسٹی کے قائمقام

مذکور کے اتفاق سے گورنر صوبہ جات ورار کو موزون تقاریب میں رسمی شرکت کے لئے حیدرآباد آنے کی دعوت دیں۔

فقرہ نہم۔ برار کی مسجد میں ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے نام سے خطبہ پڑھے جانے پر ہز مجسٹی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

فقرہ دہم۔ باوجود اختتام معاہدہ مذکورہ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۲ء ہز مجسٹی سالانہ رقم پچیس لاکھ روپیہ جو برار کی بابتہ اس وقت تک ادا ہوتی رہی ہے ہز اگزالٹیڈ ہائینس کو ادا فرماتے رہیں گے۔

فقرہ یازدہم۔ ہز اگزالٹیڈ ہائینس کو یہ حق ہوگا کہ صوبہ جات متوسط و برار کے مستقر حکومت میں اپنا ایک ایجنٹ بدیں اغراض قائم رکھیں کہ وہ کسی ایسے معاملہ سے متعلق اپنی حکومت کے خیالات کی نمائندگی کرے جو صوبہ جات متوسط و برار اور حیدرآباد دونوں کے مشترکہ اغراض پر مشتمل ہو یا جو حیدرآباد کے اغراض پر بلاواسطہ موثر ہو۔ لیکن بجز صورت مصرحۂ بالا ایجنٹ مذکور کو صوبہ جات متوسط و برار کے کسی داخلی معاملہ سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔

فقرہ دوازدہم۔ گورنر صوبہ جات متوسط و برار نظم و نسق برار میں اپنی اُس خاص ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے جو کسی ریاست ہند کے حقوق کی حفاظت سے متعلق ہو ریاست حیدرآباد کے تجارتی و معاشی اغراض کا لحاظ واجب رکھیں گے۔

فقرہ سیزدہم۔ گورنر جنرل کو لازم ہوگا کہ مجالس وضع قوانین صوبجات

متوسط و برار کے کسی ایسے مسودہ قانون کی نسبت جس کا اطلاق برار پر ہوتا ہو اور جو اون کے غور کے لئے مختص کیا گیا ہو ہز مجسٹی کے نام سے اپنی منظوری کا اعلان کرتے ہوئے اس امر کی صراحت کریں کہ جہاں تک اس کا اطلاق برار ہوگا مسودہ قانون کو جو منظور کیا گیا وہ ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے اس معاہدے کو منظور فرمانے کی بناء پر ہے۔

فقرہ چہاردہم۔ گورنر صوبہ جات متوسط و برار کو لازم ہوگا کہ مجلس وضع قوانین صوبہ جات متوسط و برار کے کسی ایسے مسودہ قانون کی نسبت جس کا اطلاق برار پر ہوتا ہو ہز مجسٹی کے نام سے اپنی منظوری کا اعلان کرتے ہوئے یا اس قسم کے کسی ایسے مسودہ قانون کی نسبت جو ہز مجسٹی کے اظہار پسندیدگی کے لئے محفوظ کیا گیا ہو ہز مجسٹی کی منظور کرتے ہوئے اس امر کی صراحت کریں کہ جہاں تک اوس کا اطلاق برار پر ہوگا مسودہ قانون کو جو منظور کیا وہ ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے اس معاہدہ کو منظور فرمانے کی بناء پر ہے۔

فقرہ پانزدہم۔ معاہدہ ہذا میں کوئی امر کسی طرح اون فوجی کفالتوں پر موثر نہیں ہے اور نہ اون میں تخفیف کرتا ہے جن سے ہز اگزالٹیڈ ہائینس کسی موجودہ عہد نامہ یا معاہدہ کے تحت مستفید ہو رہے ہیں اور معاہدہ ہذا میں کسی امر کی ایسی تعبیر نہ کی جائے گی جس سے فوجی جمعیت موسوم بنام حیدرآباد کنٹنجنٹ کو یا اوس کے جدید قائم مقام جمعیت کو کو برقرار رکھنے کے لئے ہز اگزالٹیڈ ہائینس پر آئندہ کوئی ایسی ذمہ داری

جو بتاریخ معاہدہ ہذا موجود عائد کی جائے۔

فقرہ شانزدہم۔ مجلس وضع قوانین صوبہ جات متوسط و برار کے انتخابات کے متعلق اور بعد قیام وفاق انتخابات کونسل آف اسٹیٹ کے متعلق احکام مندرجہ ذیل کے بموجب عمل ہوگا۔

الف۔ جس حد تک کہ رائے دہندوں کی قابلیت کسی امتحان کی کامیابی پر منحصر ہو۔ حیدرآباد کے کسی مساوی درجہ کے امتحان کی کامیابی کا برار کے حلقہ ہائے انتخاب کی نسبت وہی اثر ہوگا جو کسی ایسے امتحان کی کامیابی کا ہوتا ہے جو عموماً صوبہ جات متوسط و برار میں فی الوقت رائے دہندوں کو رائے دہی کے قابل بناتی ہو۔

ب۔ جس حد تک کہ رائے دہندہ کی قابلیت کسی فوج باقاعدہ یا کسی جمعیت پولس میں اوس کی یا کسی اور شخص کی شرکت پر منحصر ہو ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے افواج باقاعدہ کی اور جمعیت پولیس ریاست حیدرآباد کی رکنیت برار کے حلقہ ہائے انتخاب کی نسبت ایسی ہی تصور کیجائے گی جیسی کہ علی الترتیب ہز مجسٹی کے افواج باقاعدہ کی اور کسی جمعیت پولس برطانوی ہند کی رکنیت تصور کیجاتی ہو۔

فقرہ ہفتدہم۔ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ئہ کے حوالہ جات مندرجہ معاہدہ ہذا کی یہ تعبیر کی جائے گی کہ اُن حوالہ جات کا اطلاق قانون مذکور پر بشمول ایسی جملہ ترمیمات کے ہوگا جو مابعد کے کسی قانون کی رو سے یا اوس کے تحت ہوئی ہوں لیکن اگر کوئی ایسی ترمیم عمل میں آئے

جو اس معاہدہ کی کسی شرط کے متناقض ہو یا جس سے قانون مذکور کے کسی حکم کی مصرحہ ضمیمہ معاہدہ ہذا کی ترمیم ہوتی ہو اور یہ ترمیم ایسی نہ ہو جس کا برار پر اطلاق ہونا ہزاگزالٹیڈ ہائینس نے منظور فرمایا ہو یا جس کا اطلاق صرف علاقہ جات ماسوائے برار پر ہوتا ہو تو ہزاگزالٹیڈ ہائینس کو اختیار ہوگا کہ تاریخ ترمیم مذکور سے چھ ماہ کے اندر کسی وقت اس بارے میں اطلاع دیکر معاہدہ ہذا کو ختم فرمادیں۔

فقرہ پنج دہم۔ معاہدہ ہذا کو بعوض معاہدہ مورخہ ۵ نومبر ۱۹۰۲ء نافذ العمل رہے گا۔ اور اس میں بجز رضامندی فریقین کوئی تغیر یا ترمیم نہ ہو سکے گی۔ اور بمتابعت شرائط مندرجہ آخر فقرہ ماسبق کسی ایک فریق کی جانب سے اس وقت ختم نہ کیا جاسکے گا جب تک کہ اس کے محفوظ حقوق فریق ثانی کو پابندی کے ساتھ محفوظ رہیں اور وہ اس تاریخ سے نافذ ہوگا جو حصہ سوم قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء کے نفاد کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ لیکن اس کے باوجود تاریخ مذکور کے قبل قانون مذکور صوبجات متوسط و برار میں نافذ کرنے کی غرض سے برار میں ایسے تدابیر اختیار کئے جاسکیں گے جن کا قانون مذکور کی رو سے یا اس کے تحت کسی آرڈر ان کونسل رو سے اختیار دیا جائے۔

فقرہ نوازدہم۔ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء کی دفعہ (۶۱) کے احکام کا معاہدہ ہذا پر اطلاق نہ ہوگا اور نہ وفاقی عدالت کا اختیار سماعت کسی ایسی نزاع پر حاوی ہوگا جو اس کے تحت پیدا ہو۔

فقرہ بستم۔ معاہدہ ہذا کا کوئی امر ہز اگزالٹیڈ ہائینس کے اُن حقوق پر جو اُن کے علاقہ جات ماسوائے برار سے متعلق ہوں موثر نہ ہوگا اور بذریعہ ہذا اس امر کا اظہار کیا جاتا ہے کہ قانون حکومت ہند نافذہ ۱۹۳۵ء کے حصہ دوم کے احکام کی رو سے جس وفاق ہند کی تجویز ہوئی ہے اس میں شرکت کے متعلق خواہ ہز اگزالٹیڈ ہائینس دستاویز کی تکمیل فرمائیں یا نہ فرمائیں۔ اور خواہ ہز مجسٹی ایسی دستاویز قبول فرمائیں نہ فرمائیں بہرحال اقرارنامہ ہذا نافذ العمل رہے گا۔

بہ توثیق امور مصرحہ صدر معاہدہ ہذا پر ہز اکسلنسی دی موسٹ آنریبل دی مارکوئیس آف لن لتھگو۔ بی۔ سی۔ کے۔ ٹی۔ جی۔ ایم۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ ایم۔ آئی۔ ای۔ او۔ بی۔ ای۔ ڈی۔ یل۔ ٹی۔ ڈی نے جو ہز مجسٹی کے وائسرائے اور گورنر جنرل کشور ہند ہیں۔ منجانب ہز مجسٹی اپنے دستخط ثبت فرمائے ہیں اور لفٹننٹ جنرل ہز اگزالٹیڈ ہائینس آصف جاہ مظفر الملک و الممالک نظام الملک نظام الدولہ نواب سر میر عثمان علیخان بہادر فتح جنگ یار وفادار سلطنت برطانیہ جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ بی۔ ای نظام حیدرآباد (دکن) اپنے دستخط ثبت فرمائے ہیں۔

ضمیمہ

(ضمیمہ ہٰذا میں جہاں صوبہ اور گورنر کا ذکر آئے اس سے صوبجات متوسط و برار اور وہاں کا گورنر مراد ہے۔)

قانون کے حصہ اول کا اس قدر جزو جو ہز مجسٹی سے اور گورنر جنرل سے اور ہز مجسٹی کے اس قائم مقام سے متعلق ہو جو ریاست ہائے ہند سے تاج برطانیہ کے تعلقات کے ضمن میں تاج کے فرائض و اختیارات کے استعمال کرنے کا مجاز ہے۔

حصہ جات دوم و سوم کے محولہ ذیل احکام۔

دفعہ ۷۔ ضمن (۱) و ضمن (۲)

دفعہ ۹۔ ضمن (۳)

دفعہ ۱۲۔ ضمن (۲)

دفعہ ۱۴۔ ضمن (۱)

دفعات ۳۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۹۔

دفعہ ۵۰۔ ضمن (۳)

دفعہ ۵۲۔ ضمن (۳)

دفعات ۵۴-۷۵-۷۶-۷۷-۸۹-۹۰-

(جو عام احکام امور ذیل کے متعلق ہیں یعنے صوبہ میں وفاق کے انتظامی اختیار کا استعمال کارروائی منجانب گورنر جنرل یا گورنر بہ لحاظ اُن کے صوابدید کے یا باستعمال اُن کی انفرادی قوت فیصلہ کے وزیر ہند کا گورنر جنرل پر اور گورنر جنرل کا گورنر پر اختیار و نگرانی آرڈیننسز جو گورنر جنرل یا گورنر اپنے صوابدید سے نافذ کرے اور گورنر جنرل و گورنر کے نافذ کردہ قوانین

دفعہ ۱۱- ضمن (۱) جس حد تک کہ اُس میں یہ محکوم ہے کہ گورنر جنرل مدافعت کے معاملات میں اپنے حسب صوابدید عمل کریں۔

دفعات ۱۲ و ۵۲- جس حد تک کہ ان کی رو سے دفعہ (۱۲) ضمن (۱) کے فقرات (اے) و (جی) کی متذکرہ خاص ذمہ داریاں گورنر جنرل پر اور دفعہ ۵۲ ضمن (۱) کے فقرات (اے) (اف) اور (جی) کی متذکرہ خاص ذمہ داریاں نیز وہ خاص ذمہ داری متعلقہ برار متذکرہ ضمن (۲) دفعہ مذکور جو گورنر پر عائد ہوتی ہے۔

دفعہ (۳۸) ضمن (۱) اور دفعہ ۸۴ ضمن (۱) کی متعلقہ شرط کا اس قدر حصہ جس میں گورنر جنرل یا گورنر کے لئے یہ حکم ہے کہ اپنے صوابدید کے لحاظ سے امور ذیل کے متعلق قواعد وضع کرے۔

(الف) متذکرہ بالا خاص ذمہ داریوں کی ادائی سے متعلق وفاقی یا صوبہ جاتی مجلس وضع قوانین کے ضابطہ کارروائی اور طریق کار کو منضبط کرنا۔

(ب) اُن امور پر جو ریاست ہائے ہند سے یا کسی والی ریاست یا

ریاست کے حکمران خاندان کے کسی فرد کی ذاتی روش سے متعلق ہوں۔ بحث کرنے یا سوالات پیش کرنے کی تابحد محکومہ شرط مذکورہ ممانعت۔

اور دفعہ (۳۸) کے مذکورہ ضمن (۱) کی شرط کا اس قدر حصہ جس میں گورنر جنرل کے لئے یہ حکم ہے کہ اُن کے حسب صوابدید اس غرض سے قواعد وضع کریں کہ مداخلت سے متعلق وفاقی مجلس وضع قوانین کے ضابطہ کارروائی اور طریق کار کو منضبط کریں اور صوبہ کے معاملات سے متعلق کسی کارروائی پر جو وہ اپنے حسب صوابدید عمل میں لائیں بحث کرنے یا سوالات پیش کرنے کی تابحد محکومہ شرط مذکور ممانعت کی جائے۔

دفعہ ۴۰۔ ضمن (۲) اور دفعہ ۸۶ ضمن (۲) جن کے تحت گورنر جنرل یا گورنر مجاز ہیں کہ وفاقی یا صوبہ جاتی مجلس وضع قوانین میں ایسے مباحث پر قیود عاید کریں جو دفعہ ۱۲ ضمن (۱) کے فقرہ (اے) اور دفعہ ۵۲ ضمن (۱) کے فقرہ (اے) کی متذکرہ خاص ذمہ داریوں کی ادائی پر موثر ہوتے ہوں

دفعہ ۴۷ (جو برار سے متعلق ہے)

دفعہ (۱۰۸) جس حد تک کہ اس کی رو سے محکوم ہے کہ ایسے مسودات قوانین یا ترمیمات کی پیشی یا ان کے متعلق تحریک کے لئے اولاً گورنر جنرل کی منظوری ان کے حسب صوابدید یا گورنر کی منظوری ان کے حسب صوابدید حاصل کی جائے۔ جن سے گورنر جنرل یا گورنر کے قوانین یا آرڈیننسز کی جو انھوں نے اپنے حسب صوابدید مشتہر کرائے ہوں تنسیخ یا ترمیم ہوتی ہو یا جو قوانین یا آرڈیننسز مذکور کے مخالف ہوں یا جو مداخلت سے متعلق امور

پر موثر ہوں۔

دفعہ (۱۱۰) باستثناء اُن صورتوں کے جن میں وہ ایسے قوانین کے وضع کرنے سے متعلق ہوتی ہوں جو لا آف برٹش نیشنلیٹی آرمی ایکٹ، آیر فورس ایکٹ، نیول ڈسپلین ایکٹ، لا آف پرائز آر پرائیز کورٹس پر یا مرافعات مرجوعہ پریوی کونسل باجازت خاص پر موثر ہوں۔

باب اول حصہ نہم جو وفاقی عدالت سے متعلق ہے باستثناء دفعہ (۲۰۶) باب مذکور۔

دفعات ۲۴ و ۶۷۔ دفعہ ۲۲۰ ضمن (۴)۔ دفعہ ۳۱۱ ضمن (۷) اور ضمیمہ چہارم جس حد تک کہ وہ اُن حلفوں اور اقرارات صالح سے متعلق ہیں جو ایسے اشخاص کو اٹھانے یا کرنے ہوں جو برطانوی رعایا نہ ہوں۔

شرح دستخط

میر عثمان علیخاں

میرے مواجہ میں

شرح دستخط ڈی۔ جی۔ میکنزی

ریزیڈنٹ متعینہ حیدرآباد

۲۴؍ اکٹوبر ۱۹۳۶ء

شرح دستخط

لن لتھ گو

بخدمت

لفٹننٹ جنرل ہز اگزالٹیڈ ہائینس آصف جاہ مظفر الملک والممالک نظام الملک
نظام الدولہ نواب سر میر عثمان علیخاں بہادر فتح جنگ یار وفادار سلطنت
برطانیہ جی۔ سی۔ یس۔ آئی۔ جی۔ بی۔ ای نظام حیدر آباد (دکن)

میرے معزز و ذی قدر دوست۔

ہز مجسٹی ملک معظم شہنشاہ کشور ہند کی جانب سے مجھے حکم ہوا ہے کہ
کہ درباره معاہده جدید مورخہ ۲۴ ہر ماہ اکتوبر ۱۹۳۶ء جو برار کے آیندہ نظم
و نسق سے متعلق ہے میں یور اگزالٹیڈ ہائینس کو اس غرض سے مخاطب کروں
کہ صورت حال واضح اور اس طرح آیندہ غلط فہمی کا سدباب ہو جائے۔

ہز مجسٹی نہیں چاہتے کہ معاہدے میں کوئی ایسی چیز درج فرمائیں جس سے
اس کے اختتام کے امکان غالب کا تصور پیدا ہو سکے یا بطور اوس کے
لازمی نتیجہ کے، ایسے تجاویز شریک فرمائیں جو اس صورت میں برار کے
مابعد کے انتظام کے لئے ہوں تاہم اس غرض سے کہ شبہ کی گنجائش
باقی نہ رہے، ہز مجسٹی اس امر کی صراحت کر دینا مناسب خیال فرماتے
ہیں کہ وہ اس معاہدہ میں اس صاف و صریح سمجھوتہ پر شریک ہو رہے ہیں
کہ اگر آیندہ کسی امر کی وجہ سے معاہدہ کا بدقسمتی سے اختتام ہو جائے تو ہز مجسٹی
کو اختیار ہو گا کہ ایک نئے معاہدہ کی عدم تکمیل کی صورت میں یا اُس کے
تکمیل پا لینے تک، نظم و نسق برار کے لئے باوجود کسی امر کے جو عہد نامہ جا

بابتہ ۱۸۵۳ء و ۱۸۶۰ء میں اوس کے برخلاف ہو، ایسے انتظامات جو وہ ضروری تصور فرمائیں قائم کریں۔ اور وہاں بلا شرکت غیرے کامل اختیارات استعمال فرمائیں لیکن مجھے یہ واضح کردینے کا حکم ہوا ہے کہ اس سے نہ تو یور اگزالٹیڈ ہائینس کے برار پر اقتدار اعلیٰ کا تسلیم کیا جانا۔ نہ سالانہ رقم پچیس لاکھ روپیہ کی ادائی اور نہ کوئی فوجی کفالتیں جن سے اس وقت یور اگزالٹیڈ ہائینس تحت عہدنامہ جات موجودہ مستفید ہو رہے کسی طرح متاثر ہوں گی اور نہ ہز مجسٹی یور اگزالٹیڈ ہائینس کی رضامندی کے بغیر اپنے کو اس کا مجاز تصور فرمائیں گے کہ نظم و نسق برار کے لئے کوئی انتظامات کسی ایسی بنیاد پر قائم کریں جو اس بنیاد سے اصولاً مختلف ہو جو اس وقت قائم ہے۔

یور اگزالٹیڈ ہائینس کی جو اعلیٰ وقعت میرے نزدیک ہے اس کا میں اظہار کرنا چاہتا ہوں اور یور اگزالٹیڈ ہائینس کے مخلص دوست کی حیثیت سے دستخط کرتا ہوں۔

لن لتھگو

وائسرائے و گورنر جنرل ہند

نئی دہلی۔ مورخہ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۳۶ء

